بچوں کے غالب

فرید عشرتی



بچّوں کے غالبؔ

مرتبہ

فرید عشرتیؔ لکھنوی

ناشر

رنجیت پرکاشن ترلوک ناتھ روڈ لکھنؤ

قیمت دو روپیہ

حرفِ آغاز

باوجود ہزار رکاوٹوں کے گزشتہ نصف صدی میں اُردو زبان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اس درمیان غالب پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور آئندہ بھی بہت کچھ لکھا جانے کا ہے صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں غالب کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے۔ دنیا کے ہر گوشے میں ان کی عظمت تسلیم کی جاچکی ہے اور انکے مداح و ثنا خوانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

جس طرح ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و تمدن نے اُردو زبان کو جنم دیا ہے اور یہ زبان تیزی سے دنیا میں پھیل رہی ہے۔ غالب کی شخصیت بھی ہر مذہب و ملت کی آئینہ دار ہے اور انکی مقبولیت و ہردلعزیزی بڑھتی جارہی ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو غالب سے کس طرح روشناس کرائیں تاکہ وہ بھی ہماری طرح غالب پر فخر کرسکیں۔ اس خیال کے تحت اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ آسان زبان میں غالب اور ان کے فن کو نمایاں کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ نئی نسل میں ادبی مذاق کس طرح پیدا کیا جائے اور ان کا ذہنی معیار کس طرح بلند ہو اور وہ ادب یا کلچر جو ہم کو غالب یا دوسری عظیم شخصیتوں سے وراثت میں ملا ہے کس طرح نئی نسل کے ذہنوں میں محفوظ کیا جائے جواب ایک ہی سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح مرزا غالب نے کچھ پرانی اور کچھ نئی قدریں اپنا کر ایک نئی منزل اور ایک انوکھے رستے کی تلاش کی ہم لوگ بھی کچھ نئی اور کچھ پرانی قدریں ساتھ لیکر چلیں اور ان سے نئی نسل کے چراغ جلائیں۔

مرزا غالب کو بچوں سے روشناس کرنے اور انکی شاعری و انشاپردازی کو اجاگر کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ ہم بچوں کو غالب کے دلچسپ حالات زندگی کے بارے میں بتائیں خطوط

اور نثر لکھنے میں انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بچوں کو آگاہ کیا جائے بیت بازی یا دوسرے طریقوں سے بچوں کو غالب کے آسان اشعار یاد کرائے جائیں

یہ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے ۔ پہلے حصہ میں مرزا غالب کی زندگی اور انکے اخلاق و عادات کا بیان ہے ۔ مرزا غالب کی شاعری اور اس کی افادیت وانفرادیت ۔ لطیفے ۔ انشاپردازی ۔ خطوط کی اہمیت اور دیگر تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

دوسرے حصہ میں ایک ڈراما " بازیچۂ اطفال " کے نام سے پیش کیا گیا ہے ۔ یہ ڈراما غالب کی زندگی اور انکے کردار کو ظاہر کرتا ہے ۔ اس ڈرامے میں اس بات کی کوکوشش کی گئی ہے کہ وہ تمام نکالے جو غالب کی نثر اور خطوط کی جان ہیں آجائیں اس کوشش میں میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا اندازہ اہل نظر خود کریں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ ڈراما غالب کی شخصیت اور ان کی رنگارنگ زندگی کا آئنہ دار ہے ۔ اس کے علاوہ غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر بچوں نے جشن غالب منایا ہے اور تقریریں و مضامین پیش کئے ہیں ۔ بیت بازی کا ایک مقابلہ بھی پیش کیا ہے جس میں بچوں نے صرف غالب کے اشعار استعمال کئے ہیں ۔

اس کتاب میں بچوں کے اخلاق و کردار کو بلند کرنے کے لئے مرزا غالب کے بلند و پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ۔ اردو کے طالب علموں کے لئے بھی یہ کتاب مفید ثابت ہوگی ۔ بہرکیف غالب کے درج ذیل شعر سے کتاب کا آغاز کرتا ہوں ۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

(فریدہ عشرتی)

پہلا باب

مختصر حالاتِ زندگی

نام

مرزا اسداللہ خاں عرف نوشہ

تخلص

غالب

والد کا نام

عبداللہ بیگ خاں

تاریخ و پیدائش خاندان

مرزا ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو آگرہ شہر میں پیدا ہوئے والدین قوم کے ترک تھے یہ قوم تلوار کی دھنی ہوتی تھی ان کے خاندان میں یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ کی جائداد میں بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ ملتا تھا اور سارا مال و اسباب اور گھر بار بیٹی کو ملتا تھا۔ مرزا غالب کے وارث شاہ عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندستان تشریف لائے تھے مرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی تھی مرزا کے والد کا نام عبداللہ بیگ خاں تھا جنکی شادی آگرہ میں ہوئی تھی اور انہوں نے اپنی تمام عمر سسرال ہی میں گزاری تھی مرزا غالب آگرہ ہی میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں پرورش پائی تھی شروع میں انکے والد جیسا کہ مرزا نے خود اپنے ایک خط میں لکھا ہے

لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے یہاں ملازم ہوئے تھے لیکن ان کو نوکری راس نہ آئی اور پھر آگرہ میں آکر بس گئے۔ بعد میں آگرہ ہی میں ان کا انتقال ہوا مرزا کے والد کے انتقال کے بعد ان کے چچا نصراللہ بیگ خاں نے ان کی پرورش کی ان کے چچا سرکاری فوج میں رسالداری کی جگہ پر ملازم تھے ان کے نام پر بطور تنخواہ دو پرگنوں کی جاگیر لکھی ہوتی تھی چچا کے انتقال کے بعد سات سو روپیہ سالانہ مرزا کی پنشن مقرر ہوئی لیکن کچھ عرصہ تک یہ پنشن بند رہی۔ اس درمیان مرزا بہت پریشان رہے لیکن دوستوں کی کوشش سے یہ پنشن پھر جاری ہوگئی

تعلیم و تربیت

مرزا کے استاد کا نام شیخ معظم تھا۔ آپ کا شمار آگرہ کے مشہور استادوں میں ہوتا تھا۔ مرزا کو بچپن ہی سے تعلیم کا بہت شوق تھا۔ سات برس کی عمر میں وہ آگرہ سے دلی آنے جانے لگے تھے۔ دلی میں بھی انہوں نے عبدالصمد جو پہلے پارسی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے

ان کو اپنا استاد بنا لیا تھا۔ جن سے آپ نے فارسی زبان میں تعلیم حاصل کی۔ مرزا کی عمر جب چودہ برس کی تھی انھوں نے دو برس تک اپنے استاد عبد الصمد کے مکان پر مستقل قیام کیا۔ ملا عبد الصمد فارسی زبان کے علاوہ عربی زبان کے بھی ماہر تھے۔ مرزا غالب جیسے ذہین طالب علم کے لئے دو سال کا عرصہ بہت تھا۔ انھوں نے اپنی ذہانت کا سکہ اپنے استاد پر اچھی طرح سے بٹھال لیا تھا۔ بچو تم بھی مرزا غالب کی طرح ایک ذہین طالب علم بنو اور اپنی ذہانت کا سکہ اپنے استاد پر بچپن سے ہی بٹھال دو تاکہ تم اپنے استاد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکو اور استاد کی دعاؤں سے تم دنیا میں مرزا غالب کی طرح ایک نامور انسان بن سکو۔

بچپن

چونکہ غالب کا ننھیال آگرہ میں تھا اور اس کے والد نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی اس لئے غالب کا بچپن زیادہ تر آگرہ ہی میں گزرا۔ آپ بچپن ہی سے ذہین شوخ مزاج اور ہر دل عزیز تھے۔ آپ کو

بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق تھا اس لئے زیادہ تر کتابیں
مرے پر لاکر پڑھتے تھے۔ آپ نے اس زمانے میں آنکھیں
کھولیں جبکہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چرچا کم ہوتا جا
جارہا تھا پھر بھی آپ نے بچپن ہی سے فارسی میں باقاعدہ
تعلیم حاصل کی تھی یہ ایک نہایت مشکل کام تھا۔ حالانکہ
غالب کی شاعری کی ابتدا اردو شاعری سے ہوئی لیکن
آگے چل کر وہ نہ صرف اُردو کے ایک عظیم شاعر ہوئے
بلکہ ان کا فارسی کلام بھی دنیا میں مقبول ہوا اور انہوں نے
فارسی نظم و نثر دونوں میں کمال حاصل کیا۔ انہوں نے
جیساکہ ایک جگہ خود لکھا ہے گیارہ سال کی عمر سے شعر
کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی درمیان انہوں نے فارسی میں
کچھ شعر لکھے تھے جو انہوں نے اپنے استاد شیخ معظم کو
جا کر سنائے۔ ان کے استاد نے اُن کے اشعار کی بہت
تعریف کی اور ان سے کہا کہ تم اُردو کے علاوہ فارسی
میں بھی شعر کہا کرو۔ اس طرح غالب نے فارسی زبان میں
گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ غالب کے
سر سے جب یہ پانچ سال کے تھے باپ کا سایہ اور جب
نو سال کے تھے چچا کا سایہ اُٹھ چکا تھا۔ آپ کا ننھیال
جہاں آپ نے پرورش پائی تھی بہت خوشحال تھا۔

باپ اور چچا کے انتقال کے بعد غالب کے ننہال کی جائداد سے کافی فائدہ اُٹھایا۔ انکا بچپن بہت ہی آرام سے گزرا۔ اس زمانے میں چونکہ دولت کی کمی نہ تھی خوب اللّے تللّے کیے لیکن ذہین تھے لہذا جلدی ہی سیدھے راستے پر آگئے اور بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیئے تھے ان کے اشعار سن کر میر تقی میر جو اس دور کے بہت بڑے شاعر تھے۔ پیشن گوئی کی تھی کہ اگر اس لڑکے کو کوئی اچھا استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر چلنا سکھادیا تو یہ لڑکا بہت بڑا شاعر بن جائے گا اور اتفاق سے مرزا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ ان کو شیخ معظم اور ملّا عبدالصمد جیسے استاد مل گئے غالب کے بارے میں ان کے لڑکپن کے زمانے میں جو پیشن گوئی میر تقی میر جیسے شاعر نے کی تھی وہ صحیح نکلی اور وہ جلدی ہی مشہور ہو گئے۔

بچو! تم بھی غالب کے بچپن سے سبق سیکھو اور ان کی طرح اچھے استاد کی تلاش کرو اور اس کی تعظیم میں اپنا سر جھکا سکو تاکہ تم بھی غالب کی طرح ایک قابل انسان بن سکو اور تمہارا شمار دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں ہو سکے۔

جوانی

دلّی میں جن لوگوں نے غالب کی جوانی دیکھی تھی انکا کہنا تھا کہ ان کی جوانی کے زمانے میں ان کا شمار شہر کے حسین و خوبصورت لوگوں میں ہوتا تھا۔ سینہ چوڑا قد لانبا اور ہاتھ پاؤں بہت مضبوط تھے۔ بچپن کی طرح ان کی جوانی بھی بہت عیش و عشرت سے گذری تھی۔

شادی

آپ کی شادی ۱۲۲۵ھ کو الٰہی بخش خاں معروف کے یہاں قرار پائی تھی آپ کی شادی تیرہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی چونکہ شادی دلّی سے ہوئی تھی اسی لئے آپ نے یہاں سکونت اختیار کر لی تھی اور آخر عمر تک دلّی ہی میں رہے۔

اولاد

مرزا صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے ہوئے مگر کوئی زندہ نہیں رہا اس لئے

بہت دنوں تک وہ اور ان کی بیوی تنہا زندگی بسر کرتے رہے مگر خود سے چند سال پہلے جبکہ ان کی بی بی کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کا انتقال ہوگیا اور ان کے دونوں بچے ایک باقر علی اور دوسرے حسین علی خاں رہ گئے تو مرزا اور ان کی بی بی نے چھوٹے لڑکے کو جو اس وقت بہت کم عمر تھا گود لے لیا اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ جب زین العابدین خاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو حسین علی خاں کے بڑے بھائی باقر علی خاں کو بھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔

بوڑھاپا

انتقال سے کئی سال پہلے سے چلنا پھرنا بالکل کم ہوگیا تھا۔ اکثر اوقات پلنگ پر پڑے رہتے تھے۔ غذا بہت کم ہوگئی تھی لیکن اس عالم میں بھی دوستوں کے خطوں کا جواب ضرور دیتے تھے یا کسی دوسرے آدمی کو بتاتے جاتے تھے وہ لکھتا جاتا تھا۔ انتقال سے چند روز پہلے بیہوشی طاری ہوگئی تھی۔ آپ کا بڑھاپا بہت تنگ دستی میں گذرا جب کوئی دوست ان کی

خیریت لینے جاتا تو کہتے میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ ایک آدھ دن بعد میرے پڑوسیوں سے پوچھنا۔

انتقال

آپ کا انتقال ۱۸۶۹ء کو تہتر برس اور چار مہینے کی عمر میں ہوا اور درگاہ نظام الدین میں سپرد خاک کئے گئے ان کے جنازے کی نماز میں کافی لوگ تھے ان کا برتاؤ ہر مذہب کے لوگوں کے ساتھ یکساں رہا اس لئے ہر مذہب کے لوگوں نے آپ کے جنازے میں شرکت کی اور ہر فرقہ کے لوگوں نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

دوسرا باب

غالبؔ اور اُن کا کردار

اخلاق

مرزا غالب کا اخلاق بہت اچھا تھا۔ وہ ہر ایک شخص سے جو ان سے ملنے آتا تھا بہت کشادہ پیشانی سے ملتے تھے جو شخص ایک بار ان سے مل آتا تھا اسکا دل غالب سے ملنے کو بار بار چاہتا تھا۔ بچوں تمہاری طرح ان کے بھی بہت سے دوست تھے اپنے دوستوں کو دیکھ کر وہ باغ باغ ہوجایا کرتے تھے۔ ان کے دوستوں کی خوشی ان کی خوشی ہوا کرتی تھی آپ دوستوں کے غم سے غمگین ہوجایا کرتے تھے ان کے دوست ہر مذہب وملت کے تھے وہ اپنے دوستوں کو بڑے خلوص کے ساتھ خط لکھا کرتے تھے ان کے دوست ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ غالب کے لکھے ہوئے خطوط سے محبت اپناپن اور غمخواری ٹپکتی تھی۔ دوستوں کے خطوط کا جواب دینا اپنا فرض سمجھتے تھے ان کا بہت سا وقت اپنے دوستوں کو خط لکھنے میں گذر جایا کرتا تھا جب کسی دوست پر مصیبت پڑتی تھی تو اس کو خاص طور سے خط لکھتے تھے ان کے دوست ان سے

بہت سی فرمائشیں کیا کرتے تھے جن کا پورا کرنا غالب اپنا فرض سمجھتے تھے دوستوں میں ان کے شاگرد بھی تھے جن کو غزلوں پر دہ اصلاح دیا کرتے تھے لوگ اکثر ان کو بیرنگ خط بھی بھیجا کرتے تھے لیکن ان کو کبھی ناگوار نہ گزرتا تھا جو شخص ان کے پاس لفافہ میں ٹکٹ رکھ کر بھیجتا تھا تو سخت شکایت کرتے تھے اسطرح غالب کا اخلاق بہت بلند تھا ان کے خاص دوستوں میں مفتی صدرالدین آزردہ مولوی امام بخش صہبائی مولانا فضل حق خیرآبادی نواب مصطفٰے خاں شیفتہ۔ مولوی عبداللہ خاں علوی نواب ضیاءالدین خاں نیر۔ سید غلام علی وحشت حکیم مومن خاں مومن تھے۔ غالب کے شاگردوں کی کثرت ہندوستان میں بے شمار تھی ان کے اخلاق کی بلندی سے ان کے دوستوں اور شاگردوں کا دائرہ بہت بڑا تھا۔ ان کے شاگردوں میں نیر۔ عارف۔ سالک۔ مجروح۔ غلام علی خاں۔ نواب مصطفٰے خاں بہت مشہور تھے۔

مروّت

غالب بہت ہی بامروّت انسان تھے اپنے دوستوں

کی خدمت بجالانا اپنا فرض سمجھتے تھے آخر عمر میں جبکہ ان کی آنکھ کی روشنی بھی کم ہو چکی تھی اور بہت کمزور ہو چکے تھے اپنے شاگردوں کے اشعار پر اصلاح ضرور دیتے تھے اور خود کہتے تھے کہ آنکھ سے اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا نہیں جاتا پھر بھی لیٹے لیٹے اصلاح دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں باوجود اس کے بھی لوگ مرزا کو برابر ستاتے رہتے تھے اور برابر ان کے پاس اصلاح کے لئے غزلیں بھیجا کرتے تھے

حوصلے کی بلندی

اگرچہ مرزا غالب کی آمدنی بہت کم تھی پھر بھی انکے دروازے سے کوئی بھی فقیر خالی ہاتھ نہیں واپس ہوتا تھا۔ ان کے مکان کے سامنے اندھے۔ لولے لنگڑے۔ اور اپاہج لوگ ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ تنگدستی کے عالم میں بھی غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی آمدنی سے زیادہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ زیادہ تر مالی طور سے پریشان رہتے تھے۔ غدر کے بعد ان کی آمدنی ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار رہ گئی تھی وہ اپنے دوستوں کے

ساتھ جن کی مالی حالت اچھی نہ ہوتی تھی بڑا اچھا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک دوست جن کی غدر کے بعد مالی حالت بہت بگڑ چکی تھی جب غالب کے پاس آئے تو آپ کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ ان کے بدن پر معمولی چھینٹ کے کپڑے تھے۔ غالب نے ان سے پوچھا کہ یہ چھینٹ آپ نے کہاں سے منگوائی ہے خدا کے واسطے یہ چھینٹ مجھ کو آپ منگوا دیجئے ان کے دوست نے فرمایا کہ یہ لباس آج ہی بن کر آیا ہے اور میں نے آج ہی اس کو لیا ہے اگر آپ کو پسند ہے تو یہی حاضر ہے غالب نے کہا جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے چھین کر پہن لوں مگر جاڑا بہت زوروں کا پڑ رہا ہے آپ یہاں سے مکان تک کیا پہن کر جائیں گے پھر ادھر ادھر دیکھ کر کھونٹی پر سے اپنا نیا چوغہ اتار کر انہیں پہنا دیا اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنا چوغہ ان کو نذر کر دیا۔ بچوں تم بھی اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح پیش آیا کرو جس طرح مرزا غالب اپنے دوستوں کے ساتھ پیش آتے تھے۔

خودداری

بچوں خودداری بہت بڑی چیز ہے خوددار ہونا انسان کیلئے بہت ضروری ہے تم کو ہمیشہ غالب کی طرح خوددار رہنا چاہئے مرزا غالب بہت خوددار دربار وضع انسان تھے۔ اس کے باوجود ان کی آمدنی کم ہو گئی تھی خودداری کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ دلی میں بڑے بڑے لوگوں سے ان کی جان پہچان تھی اس لئے بغیر پالکی کے باہر نہ نکلتے تھے جو لوگ ان کے مکان پر نہیں جاتے تھے وہ بھی ان کے گھر نہیں جاتے تھے اور جو شخص ان کے مکان پر آتا تھا وہ بھی اس کے مکان پر ضرور جاتے تھے۔

حق گوئی و حق پسندی

مرزا غالب بہت ہی صاف گو تھے جو بات انکے دل میں ہوتی تھی زبان پر ضرور لاتے تھے۔ جب کبھی ان کے کلام پر کوئی اعتراض کرتا تھا اور وہ اس اعتراض کو صحیح سمجھتے تھے تو وہ اس کو تسلیم کر لیتے تھے غالب کی حق گوئی و حق پسندی کی عادت بہت

مشہور تھی۔

حافظہ

غالب کا حافظہ بہت اچھا تھا غالب ہمیشہ کرائے پر کتابیں لاکر مطالعہ کرتے تھے اُن کے گھر میں کہیں کتاب کا نشان نہ تھا پھر جو کتابیں یہ کرائے پر لاکر پڑھتے تھے وہ ان کے ذہن میں محفوظ رہتی تھیں۔ کتابوں میں جو بات کام کی نظر آتی تھی ان کے دل پر نقش ہو جاتی تھی۔ فارسی کلام میں وہ کوئی لفظ یا محاورہ یا ترکیب ایسی نہیں استعمال کرتے تھے جس کی سند اہل زبان کے کلام سے نہ دے سکتے ہوں جب لوگ ان کے کلام پر اعتراض کرتے تھے اس کے جواب میں دس دس بارہ بارہ سندیں اساتذہ کے کلام سے لکھ کر بھیجتے تھے ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جب وہ رات کو شعر کہتے تھے اور جب کوئی شعر ہو جاتا تھا تو کمر بند میں ایک گرہ لگا لیتے تھے اسی طرح آٹھ دس گرہ لگا کر سو رہتے تھے اور دوسرے دن صرف حافظہ کے زور پر تمام اشعار قلم بند کر لیتے تھے۔

شعر کا سمجھنا

کیسا ہی مشکل شعر یا مضمون ہوتا تھا وہ ایک سرسری نظر میں اس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔

کتب بینی

مرزا حقائق و تصوف کی کتابیں اکثر پڑھتے تھے اور ان کو خوب سمجھتے تھے۔ اکثر لوگ ایسے مشکل مضامین کی کتابیں جن کا سمجھنا مشکل ہوتا تھا مرزا کے پاس لاتے تھے آپ مشکل سے مشکل مضمون کا مطلب بہت جلدی بتا دیتے تھے۔

اسلام کا یقین

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ بظاہر روزہ نماز نہ کرتے تھے لیکن کلمہ توحید پر اُن کا مکمل یقین تھا انہوں نے تمام عبادات اور

فرائض میں صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک توحید وجودی اور دوسرے نبی اور اہل بیت کی محبت اور اس کو وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔ لیکن ہر مذہب کے لوگوں سے محبت کرتے تھے۔

شعر کی تعریف کرنا

جس طرح آج کل ایک دستور چلا آیا ہے کہ جو شخص اپنا کلام سناتا ہے اس کے ہر ایک شعر پر خواہ اچھا ہو خواہ بُرا ہو زوردار آواز میں تعریف کی جاتی ہے اور اچھے اور بُرے شعر میں کچھ پہچان نہیں کی جاتی۔ مرزا کی عادت بالکل اس کے خلاف تھی کوئی کیسا ہی بڑا شاعر ہو جب تک اس کا کوئی شعر مرزا کو پسند نہ آتا تھا وہ ہرگز اس کی تعریف نہ کرتے تھے آخر عمر میں تو ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب تک کوئی شعر ان کے دل میں نہ چبھتا تھا وہ ٹس سے مس نہ ہوتے تھے اور اچھے شعر کی بے اختیار تعریف کرتے تھے درحقیقت کسی کو خوش کرنے کے لئے ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ شعر کی اچھائی ان کو بے اختیار کر دیتی تھی۔

مرزا غالب کی نظر

مرزا کی نظر بہت تیز تھی وہ اچھے بُرے شعر کو فوراً پہچان جاتے تھے وہ کبھی کسی کی نقل نہیں کرتے تھے کلام بیدل پر جو فارسی کے ایک شاعر تھے گہری نظر تھی وہ اچھے بُرے آدمی کو بھی بہت جلدی پہچان جاتے تھے۔

سماجی زندگی

غالب جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ دور بھی ایک انقلاب کا دور تھا۔ سماجی وسیاسی انقلاب رفتہ رفتہ اپنے قدم جما رہا تھا۔ دلّی میں بہادر شاہ ظفر پر اس انقلاب کا کافی اثر تھا غالب چونکہ ایک حساس انسان تھے اس لئے دلّی کی حالت سے بہت متاثر تھے پرانی قدریں مٹتی چلی جاتی تھیں جس کا شکوہ وہ اپنے اپنے خطوط میں کیا کرتے تھے۔ پھر بھی ان کی سماجی زندگی بہت بہتر تھی ہر مذہب کے لوگ ان کے دوست تھے۔

ملازمت

غالب نے کبھی بھی کوئی سرکاری ملازمت نہیں کی انکی خودداری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار دہلی کالج میں فارسی کے ایک استاد کی جگہ خالی تھی سب سے پہلے آپ کو بلایا گیا آپ پالکی پر سوار ہو کر صاحب سکریٹری کے ڈیرے پر پہنچے۔ سکریٹری صاحب کو اطلاع بھیجی انہوں نے فوراً بلا لیا مگر پالکی سے اتر کر اس انتظار میں ٹھہرے رہے کہ دستور کے مطابق صاحب کے سکریٹری انکو لینے کیلئے آئیں گے اس کے بعد جب بہت دیر ہو گئی اور صاحب کو معلوم ہوا کہ مرزا اس لیے نہیں آئے خود باہر چلے آئے اور مرزا سے کہا کہ جب آپ دربار گورنری میں تشریف لائیں گے تو آپ کا اسی طرح استقبال کیا جائے گا لیکن اس وقت آپ نوکری کے لیے آئے ہیں اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہو سکتا مرزا غالب نے جواب دیا کہ سرکاری ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا تھا کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو نہ کہ موجودہ اعزاز میں فرق آئے اس لئے مجھ کو خدمت سے معاف رکھا جائے اور یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔

خوشخطی و شعر خوانی

غالب کا خط نستعلیق بہت دلآویز تھا جیسا کہ اکثر ہل ایران کا ہوتا ہے آپ خوشخط اور بہت تیز لکھتے تھے شاعروں میں شعر پڑھنے کا انداز بھی بہت دلکش ہوتا تھا پ اپنا کلام نہایت پُردرد آواز میں پڑھتے تھے۔

خوراک

غالب کو گوشت بہت پسند تھا ایک وقت بھی بغیر وشت کے کھانا نہیں کھا سکتے تھے صبح کو وہ اکثر شیرہ ادام پیتے تھے۔ آخر عمر میں اُن کی خوراک بہت کم ہ گئی تھی اُن کے کھانے میں صرف پاؤ گوشت کا قورمہ یک پیالے میں بوٹیاں دوسرے میں شوربا ایک یالی میں ایک پھلکے کا چھلکا۔ ایک پیالی میں کبھی کبھی نڈے کی زردی اور ایک پیالی میں تھوڑا سا دہی ہوتا تھا۔ شامی کباب یا سیخ کے کباب آپ کو بہت پسند تھے پھلوں میں آپ کو آم بہت پسند تھے آموں کی

فصل میں اُن کے دوست دور دور سے اُن کے لئے عمدہ آم بھیجتے تھے اور وہ خود اپنے دوستوں سے تقاضا کر کے آم منگواتے تھے۔

مرزا غالبؔ کی ظرافت

اور

اُن کے لطیفے

بچوں مرزا غالب نہایت پُرمذاق واقع ہوئے تھے ظرافت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ لوگ ان سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کے مشتاق رہتے تھے وہ زیادہ بولتے نہ تھے لیکن جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا تھا لطف سے خالی نہ ہوتا تھا اسی لئے بہت سے لوگوں نے ان کو حیوان ظریف کہا ہے حاضر جوابی اور بات میں بات پیدا کرنا انکی خصوصیات میں شامل تھا آج ہم تم کو مرزا غالب کے کچھ لطیفے سناتے ہیں جو بہت مقبول ہیں جن سے تم کو مرزا غالب کی ذہانت اور حاضر جوابی کا پتہ چلے گا۔

۱۔ گدھا اور آم

بچوں مرزا غالب کو آم بہت پسند تھے ان کے نزدیک آم سے اچھا اور کوئی پھل نہ تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ انکے ایک دوست حکیم رضی الدین خاں جو دلی کے ایک مشہور حکیم تھے ان کو آم نہ پسند تھے غالب کے گھر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آموں کا زمانہ تھا سامنے گلی میں آموں کے چھلکے پڑے ہوئے تھے ایک گدھے والا ادھر سے اپنے

گدھے لئے ہوئے گزر رہا تھا ایک گدھے نے رک کر آم کے چھلکے سونگھے اور آگے بڑھ گیا یہ دیکھ کر حکیم صاحب نے مرزا غالب کو مخاطب کر کے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو مرزا تم آموں کی بڑی تعریف کرتے ہو لیکن آم ایسی چیز ہے کہ اسے گدھے بھی نہیں کھاتے ——— مرزا غالب نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا ——— جی ہاں۔ بے شک گدھے آم نہیں کھاتے۔

۲۔ پیر دبانے کی اُجرت

ایک دن شام کو مرزا صاحب پلنگ پہ دراز تھے کہ اتنے میں میر مہدی مجروح آ گئے اور محبت سے مرزا کے پاؤں دابنے لگے مرزا نے لاکھ کہا کہ تو سید زادہ ہو کر پاؤں دباتا ہے مجھے کیوں گناہ گار کرتا ہے لیکن میر مہدی عقیدت میں برابر پاؤں دابتے رہے جب مرزا صاحب نے بہت زور دے کر منع کیا تو میر مہدی مجروح بولے۔ اگر آپ کو ایسا خیال ہے تو پاؤں دابنے کی اُجرت دے دیجئے گا۔ مرزا صاحب نے فرمایا خیر یہاں تک

کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جب میر مہدی پاؤں داب چکے تو بولے لائیے حضرت میری اجرت دلوا دیجئے۔ مرزا صاحب نے کہا —— واہ بھئی۔ اماں اجرت کیسی تم نے میرے پاؤں دابے میں نے تمہاری اجرت دابی۔ دونوں برابر ہو گئے

۴۔ مٹھو بیٹے

ایک بار جاڑے کے زمانے میں طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے مارے پروں میں اپنا منہ چھپائے چُپ چاپ بیٹھا تھا۔ مرزا صاحب نے طوطے کی یہ حالت دیکھ کر کہا ——

میاں مٹھو نہ تمہارے جورو نہ بچے تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو۔

نماز عورتیں کیوں پڑھتی ہیں

ایک روز کسی مجلس میں نماز کا ذکر چل نکلا مرزا صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔ کیوں صاحب ہم تو

مرد ہیں ہمارا نماز پڑھنا ٹھیک ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس لئے کہ پڑھتے ہیں کہ جنت میں ہمیں حوریں ملیں غلمان ملیں۔ یہ عورتیں بیچاری آخر کیوں نماز پڑھتی ہیں اور انہیں کس کی تلاش ہے۔

۵۔ غلام گردش

ایک دن مرزا غالب فتح الملک بہادر سے ملنے ان کے یہاں گئے اور جب غلام گردش میں پہونچے تو خدمتگار نے صاحب عالم کو اطلاع دی کہ مرزا نوشہ صاحب آرہے ہیں وہ کسی کام میں مشغول تھے اس لئے مرزا صاحب کو فوراً نہ بلا سکے مرزا صاحب کچھ دیر وہیں ٹہلتے رہے بعد میں صاحب عالم نے پکار کر ملازم سے فرمایا کہ —— ارے مرزا صاحب کہاں ہیں مرزا غالب نے یہ سن کر وہیں سے جواب دیا —— غلام گردش میں ہے۔ یہ سن کر صاحب عالم خود تشریف لے آئے اور فوراً مرزا صاحب کو اپنے ساتھ اندر لے گئے

۶۔ مفتی صدرالدین خاں

ایک مرتبہ اپنی بہن خانم کی بیماری کو سن کر مرزا صاحب ان کی عیادت کو گئے اور پوچھا۔ کیا حال ہے۔ وہ بولیں مرتی ہوں البتہ قرض کی فکر ہے کہ گردن پر لئے جاتی ہوں مرزا صاحب نے کہا کہ بوا بھلا یہ کیا فکر ہے خدا کے یہاں کیا مفتی صدرالدین خاں بیٹھے ہیں جو ڈگری کرکے پکڑ بلائیں گے یہ سن کر بہن ہنس دیں۔

۷۔ فرق مذکر و مؤنث

دلی میں بہت سے لوگ رتھ کو بہ تذکیر بولتے تھے اور بعض لوگ بہ تانیث۔ ایک بار کسی صاحب نے مرزا سے پوچھا رتھ مؤنث ہے یا مذکر۔ مرزا صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا۔ بھیا جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مؤنث کہو اور جب مرد بیٹھے ہوں ہو تو مذکر کہو۔

۸۔ معنوی پوتے

ایک بار منشی ہرگوپال تفتہ نے مرزا صاحب کو رنگین عبارت میں لکھا — شاید میرا کلام دیکھنے سے آپ کو زحمت ہوتی ہے اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے مرزا صاحب نے انہیں جواباً لکھا — یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے میرے پوتے ہوئے۔ میرے پاس آرہے ہیں اور مجھ کو ستا رہے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے جب عالم صورت کے پوتوں سے جو مجھ کو کھانا کھانے نہیں دیتے۔ مجھے دوپہر کو سونے نہیں دیتے ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں کہیں پانی لنڈھاتے ہیں کہیں خاک اڑاتے ہیں میں تنگ نہیں آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ ان میں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤں۔

۹۔ ہاں ہوں

آخری ایام میں مرزا صاحب کی سماعت کمزور پڑ گئی تھی وہ کچھ کم سننے لگے تھے ایک روز ان کے شاگردوں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی نقل سماعت کا علاج کیوں نہیں کرتے اس پر مرزا صاحب نے جواب دیا کہ دو وجہوں سے۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں بہشتی ہو گیا اور دوسرے مرنے کے بعد جب نکیرین سوال کریں گے۔ مَنْ رَبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ تو عذر گراں گوشی سے ہاں ہوں کر کے ٹال دوں گا۔

۱۰۔ باہر سے آجاتے ہیں

ایک بار دلی میں رات گئے کسی مشاعرے سے یا دعوت سے مرزا صاحب مولانا فیض الحسن فیض سہارنپوری کے ہمراہ واپس آ رہے تھے راستے میں ایک تنگ اور تاریک گلی سے گزر رہے تھے کہ آگے وہیں ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا فیض نے یہ دیکھ کر کہا۔ مرزا صاحب

دلی میں گدھے بہت ہیں۔ مرزا صاحب نے بے ساختہ فرمایا۔ نہیں صاحب باہر سے آجاتے ہیں۔ مولانا فیض الحسن فیض سہارنپوری جھینپ کر چپ ہو رہے۔

۱۱۔ وہ یہی کوٹھری ہے

مرزا صاحب جس مکان میں رہتے تھے اس مکان میں دروازے کی چھت پر ایک کمرہ تھا اسی کمرے کے ایک جانب ایک تنگ و تاریک کوٹھری تھی جس میں ہمیشہ فرش بچھا رہا کرتا تھا، گرمیوں کے موسم میں مرزا اکثر لو دھوپ سے بچنے کے لیے اس کوٹھری میں سہ پہر کے تین چار بجے تک بیٹھتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے رمضان کے مہینے میں مرزا صاحب اسی کوٹھری میں بیٹھے کسی کے ساتھ شطرنج یا چوسر کھیل رہے تھے کہ مفتی صدرالدین آزردہ دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے چلے آئے۔ مرزا کو اس طرح رمضان کے مہینے میں شطرنج یا چوسر کھیلتے دیکھ کر مفتی صاحب نے کہا۔ مرزا صاحب ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے مگر آج اس حدیث کی صحت میں کچھ شبہ سا ہو رہا ہے۔ مرزا نوشہ نے

برجستہ جواب دیا۔ قبلہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر بات یہ ہے کہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھڑی ہے۔

۱۴۔ آدھا مسلمان

مرزا غالب کو بھی غدر کے ہنگامے کے بعد جب پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو بلایا گیا۔ یہ کرنل براؤن کے روبرو پیش ہوئے تو وہی کلاہ پاپاخ جو یہ پہنا کرتے تھے حسب معمول ان کے سر پر تھی۔ اس کو دیکھ کر کرنل براؤن نے کہا ـــ ول مرزا صاحب تم مسلمان ہے؟ مرزا صاحب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ آدھا مسلمان ہوں۔ کرنل براؤن نے کہا ـــ آدھا مسلمان کیا ـــ اس کا مطلب؟ مرزا صاحب بولے۔ آدھا یوں کہ شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا یہ سن کر کرنل براؤن بہت محظوظ ہوا اور مرزا صاحب کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

مرزا غالب کی نثر

اور

اُن کے خطوط

جیسا کہ مولانا حالی نے اپنی کتاب یادگارِ غالب میں لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ۱۸۵۰ء تک ہمیشہ فارسی زبان میں خط و کتابت کرتے تھے لیکن جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کئے گئے اور ہمہ تن مہر نیمروز کے لکھنے میں مصروف ہو گئے اس لئے ان کو اردو زبان میں خط و کتابت کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی۔ پہلے وہ فارسی میں خطوط بڑی محنت سے لکھتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ زبان فارسی میں خطوط کا لکھنا پہلے سے متروک ہے ضعیفی کی وجہ سے مجھ میں آپ اتنی محنت کرنے کی سکت نہیں رہی۔

شروع شروع میں اردو زبان میں تحریر اختیار کرنے کو مرزا شاید اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے لیکن بعد میں ان کے اردو ہی کے خطوط ان کی شہرت اور مقبولیت کا باعث ہے۔ جہاں تک دیکھا گیا ہے کہ مرزا کی عام شہرت ہندوستان میں جس قدر ان کی اردو نثر کی اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظم اردو اور فارسی اور نثر فارسی سے نہیں ہوئی۔ اگرچہ لوگ مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تھے۔ اور ان کے اردو دیوان کو بھی عام فہم سے

بالاتر سمجھتے تھے۔ اگرچہ مرزا کی اُردو نثر کی قدر بھی جیسی کہ چاہیئے ویسی نہیں ہوئی پھر بھی اس زمانے میں اُنکی نثر کے قدرداں بہت زیادہ تھے مرزا کی نثر میں زیادہ تر خطوط واقعات ہیں۔ آپ کے خطوط بہت دلچسپ ہوتے تھے ان کی اُردو خط وکتابت کا طریقہ سب سے انوکھا ہوتا تھا۔ ان سے پہلے کسی نے بھی ان کے خط وکتابت کا رنگ نہیں اختیار کیا تھا اور نہ ان کے بعد کوئی پوری تقلید کرسکا ہے۔ انہوں نے القاب وآداب کا پرانا اور فرسودہ طریقہ نہیں اختیار کیا ہے۔ وہ خط کو کبھی میاں کبھی برخوردار کبھی بھائی صاحب کبھی مہاراج کبھی کسی اور مناسب لفظ سے شروع کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر اپنا مقصد لکھتے تھے ان کے خط لکھنے کا طریقہ بالکل انوکھا تھا۔ جس کو خط لکھتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے بات چیت کر رہے ہیں جیسے۔ اجی حضرت ابھی نہیں آج جانا ہوگا۔ آج ضرور جائینگے تیاری کر رہا ہوں۔

مرزا کے خطوط سے ان کی شخصیت کی بلندی۔ اُنکے کردار کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ مرزا کے خطوط انکی زندگی ان کی انسانیت دوستی آن کی وضع داری

احباب سے بے لوث محبت کے آئینہ دار ہیں بہت سے پر خطوط بالکل نجی حیثیت رکھتے ہیں وہ اپنے دل کی باتوں کھول کر بیان کرتے تھے اور جو باتیں مجلس میں پاس مروت سے نہ کہہ سکتے تھے خطوط میں ناوابستہ طور سے بیان کر گئے ہیں خیال خاطر احباب کو وہ آخری عمر تک برتتے رہے ہے اس کا اندازہ کچھ اس خط سے نمایاں ہے جو منشی گوپال المخاطب مرزا تفتہ کو انکے کسی خط کے جواب میں بھیجتے ہوئے لکھا ہے۔

تمہارا خط آیا۔ راز نہانی مجھ پر آشکارا ہوا۔ میں سمجھا ہوا تھا کہ تم دیوانگی اور شورش کر رہے ہو اب معلوم ہوا حق بجانب تمہارے ہے۔ میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اے دل تو اپنے کو اس عزیز کی جگہ سمجھ کر تصور کر کہ اگر تجھ پر یہ حادثہ پڑا ہوتا یا تو اس بلا میں گرفتار ہوا ہوتا تو کیا کرتا۔ عیاذ باللہ اب میں تم کو کیوں کر کہوں کہ یہ بے حرمتی گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو۔ بلکہ یہ بھی نہ کہوں گا جو دوست سے کہے ہمارے واسطے اس کو ترک کر۔ بہرحال دوست کی دوستی سے کام اس کے افعال سے کیا غرض جو محبت و اخلاص ان میں تم میں ہے بدستور بلکہ روز افزوں

رہے۔ ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے نہ سہی۔

یہ اور اسی طرح کے بہت سے خطوط سے غالب کی نہ صرف عزت نفس۔ وسیع و نظری۔ رواداری کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہی بات کہنے کی ہو جو انہوں نے کہہ دی اور ویسے ہی کہہ دینے کی ہو جس انداز سے تحریر میں لائی گئی ہے غدر کے زمانے میں غالب نے اپنے ایک دوست کو اس طرح خط لکھا۔

یہاں شہر ڈھہ رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار۔ خاص بازار اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ برسات بھر مینہ نہیں برسا۔ اب شیفتہ و کلید کی طغیانی سے مکانات گر گئے۔ غلہ گراں ہے۔ موت ارزاں ہے۔

غالب کا مندرجہ بالا خط ایک تاریخی دستاویز سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس وقت کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے غالب نے قربان علی بیگ سالک کو ایک خط لکھتے ہوئے لکھا۔ جس میں انہوں نے اپنی دینی و مالی پریشانیوں کی تصویر کھینچی ہے۔

یہاں خدا سے بھی توقع نہیں۔ مخلوق کا کیا ذکر۔ کچھ بن نہیں آتی آپ اپنا تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے

خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے آپ کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہونچتا ہے کہتا ہوں غالب کے ایک جوتی اور لگی۔ بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔

غالب نے خطوط کو ملاقات کا ذریعہ بنا کر جس انداز بیان میں گفتگو کی ہے ان سے دلچسپ مکالمہ کا لطف ملتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے ہمدم کے سامنے دل کی باتیں کھول کر رکھ رہا ہو اور اپنے غم و سرخوشی کا اظہار کر رہا ہو اور قاری بجائے خود سامنے بن کر سن رہا ہو۔ میر مہدی حسن مجروح سے ایسی ہی ایک ایک گفتگو میں فرماتے ہیں۔

اے جناب میرن صاحب السلام علیکم! حضرت آداب کہو صاحب! آج اجازت ہے۔ میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کو حضور کیا میں منع کیا کرتا ہوں۔ میں نے تو عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا صرف پیچش باقی ہے وہ بھی رفع ہو جائے گی۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں آپ پھر کیوں تکلیف کریں۔ نہیں میرن صاحب اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے وہ خفا ہوا ہوگا جواب لکھنا ضرور ہے۔

حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ سے خفا کیا ہوں گے بھیا آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو۔ سبحان اللہ اے لو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔ اچھا تم باز نہیں رکھتے۔ مگر یہ تو کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں۔ کیا عرض کروں سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں خط اٹھاتا اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جائے۔ میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن کے بعد آپ خط شوق سے لکھئے گا۔ میاں بیٹھو! ہوش کی خبر تو تمہارے جانے نہ جاننے سے مجھے کیا علاقہ میں بوڑھا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا اور آج تک اسنے خط نہیں لکھا۔ لا حول ولا قوۃ۔

غالب مخاطب کو غائب سمجھ کر، جو حاضر ہے اس سے کلام کرتے ہیں بیان کی شوخی ایسی ہوتی ہے کہ ہر لحظہ دھوکا ہو کہ جس سے مخاطب ہیں وہی مکتوب الیہ ہے تو دراصل ایسا نہیں ہے۔

غالب اکثر زمانہ ماضی کے تصور کو حال کی جیتی جاگتی تصویر بنا کر پیش کر دیتے تھے۔ میر سرفراز حسین کو ایک

خط میں زمانہ ماضی کی دلکش یادوں کی یاد دلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمہارے دستی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوئے پیرہن نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا۔ ہاں بھٔ ہم تم بوڑھے ہیں یا جوان ہیں توانا ہیں یا ناتواں ہیں۔ بڑے بیش قیمت ہیں یعنی بہرحال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ۔ یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پہ نظر ہے کہ وہ مہدی آئے وہ سرفراز حسین آئے۔ وہ یوسف مرزا آئے وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خاں آئے۔ تم مرے ہوؤں کا نام نہیں تھا بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے ہیں ہیں اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوا۔ میں مروں گا تو مجھ کو کون روئے گا۔ سنو غالب روتا پیٹتا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔

خلوص اور احباب کی دلجوئی۔ سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری کا امتزاج۔ رکھ رکھاؤ غالب کا خاص تھا۔

مرزا نے خود لکھا ہے کہ میں ابتدا میں بیدل و شوکت اور اسیر کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھے اپنے قصائد اور نثر نگاری کے

بارے میں حسن کی خوبیوں اور ندرت کا انہیں خود احساس تھا ایک خط میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی۔ بالکل بھاٹوں کی طرح لکھنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے شعر کمتر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔

غالب خطوط کے انداز تحریر میں نقش اول کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے زمانے کے یا بعد کے آدمیوں نے اس انداز کو اپنانے کی کوشش کی لیکن ان کے اور غالب کے لکھے خطوط کا مقابلہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ غالب کی عظمت اور انفرادیت بالکل مختلف ہے۔

غالب خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جاوے کہ جس کو خط لکھا جا رہا ہے اس کو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ جسکو خط لکھتے اس کے رتبہ کا خاص خیال رکھتے تھے اسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیاں کرتے تھے مثلاً ایک دوست کو خط لکھا ہے اس میں ان کی لڑکی کو جو بچپن میں آپ کے سامنے آتی تھی اور اب جوان ہو گئی ہے۔ بعد دعا کے

لکھتے ہیں کیوں بھائی اب اگر ہم کول آئے بھی تو تم کو کیونکر
دیکھیں گے کہ تمہارے ملک میں بھتیجیاں چچا سے پردہ کرتی
ہیں۔ یا نواب امیر الدین احمد خاں کو جواب میں لوہارو میں
ان کے بچپن کے زمانے میں ان کے رقعہ کا جس میں
مرزا صاحب کو دادا صاحب لکھا تھا۔ اس طرح لکھتے ہیں۔
اے مردم چشم جہاں بیں۔ غالب کی پتلی چشم جہاں بیں۔
تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین احمد خاں بہادر اور پتلی تم۔
پیار تمہارے دادا نواب امین الدین احمد خاں بہادر
ہیں۔ میں تو صرف تمہارا دلدادہ ہوں

مرزا غالب نے اُردو شاعری کو نیا رنگ و آہنگ
نہیں دیا جدید اُردو نثر کی بنیاد بھی اپنے ہاتھوں سے
قائم کی۔ ان کے خطوط میں ان کی شخصیت پورے طور پہ
جلوہ گر ہے۔ ان کی نثر میں شگفتگی بلند نظری اور تابناکی
کارفرما ہے۔ ان کے خطوط میں ان کی زندگی کی رنگ برنگی
تصویریں نظر آتی ہیں۔ مرزا اپنا راستہ خود طے کرتے ہیں۔
ان کو کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں وہ رسم ورواج
اور تقلید کے پابند نہیں ہیں شیخ و برہمن ان کی نظر میں
ایک ہیں ان کے یہاں اصل چیز عقیدے سے وفاداری
ہے۔ ان کی انسانیت کے دائرے میں دیر و حرم

اور زنار و تسبیح کا فرق مٹ جاتا ہے وہ ہر مذہب کے لوگوں کو اپنا عزیز سمجھتے ہیں اور یہی ان کی حکمت کا راز ہے اُن کے خطوط محبت کی جیتی جاگتی تصویر ہیں اسی لئے وہ جدید اُردو نثر کے بانی کہے جاتے ہیں۔

مرزا غالب کی شاعری

اور

اس کی انفرادیت

مرزا غالب کی شاعری اور انکی حقیقت نگاری کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حالات زندگی کو سامنے رکھا جائے اس لئے کہ شاعر کے ماحول کا اس کی شاعری پر اثر انداز ہونا ضروری ہوتا ہے

جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں کہ غالب صرف پانچ سال کی عمر کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا تھا ان کے چچا نے انکی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی لیکن کچھ ہی سال بعد ان کے چچا بھی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے مرزا غالب کو ان کے ددھیال سے بہت معمولی مالی امداد ملی تھی۔ درحقیقت مرزا غالب کا ننھیال خوشحال تھا اور غالب نے اپنے ننھیال ہی میں پرورش پائی تھی

چونکہ غالب کا ننھیال خوشحال تھا اس لئے انھوں نے رئیسانہ زندگی بسر کی تھی ان کے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات تھے۔ اس زمانے میں رئیسوں کے مشاغل میں شطرنج کھیلنا پتنگ اڑانا داخل تھا۔ ننھیال کی دولت و ثروت نے غالب کو عیش و عشرت کی راہ پر ڈال دیا تھا لیکن ان کو شیخ معظم اور ملا عبدالصمد جیسے استاد مل گئے تھے جنہوں نے غالب کو راہ راست پر لگا دیا تھا۔

مرزا غالب نے گیارہ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا اس زمانے میں انہوں نے کچھ اشعار فارسی زبان میں نظم کئے اور اپنے اُستاد شیخ معظم کو سنائے اشعار کے صحیح ہونے کی سند بھی پیش کی۔ اسی دن سے شیخ معظم نے ان کو شعر کہنے کی اجازت دے دی۔ حالانکہ اس سے پیشتر غالب نے اُردو میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ غالب کی ابتدائی زندگی عیش و عشرت میں بسر ہوئی تھی اس لئے ان کی شاعری میں واردات قلبی۔ عشق کی بے چینی۔ ہجر و وصال کی داستان جیساکہ عام شاعروں میں ملتی ہے کی کمی محسوس ہوتی ہے برخلاف اس کے خیال کی بلندی۔ مضامین کی ندرت۔ فلسفہ اور تصوف کی آمیزش بکثرت نظر آتی ہے۔ بچپن ہی سے انہوں نے فلسفہ۔ منطق۔ ہیئت۔ طب اور علم عروض میں اچھی خاصی دستگاہ حاصل کر لی تھی۔ عبدالرحمٰن بجنوری محاسن کلام غالب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس وید اور دیوان غالب دیوان غالب کو اگر دیکھا جائے تو اس میں شروع سے لے کر آخر تک مشکل سے سو صفحے ہیں۔ اگر ادبی حیثیت سے غور کیا جائے تو دیوان غالب میں کہیں بھی ایک شعر ایسا نہیں جو بھرتی کا کہا جا سکے۔ کوئی آسان سے آسان

اور مشکل سے مشکل بحر ایسی نہیں جس میں مرزا نے کلام موزوں نہ کیا ہو علم عروض پر ان کو پوری مہارت حاصل تھی۔ ان کے اشعار میں موسیقیت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔

دیوان غالب میں ایسے بھی شعر ہیں جن کا مطلب بعض اوقات نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب نے فلسفہ اور منطق میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس لئے مشکل مضامین نظم کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی خود کو تنگ دائرے میں محدود نہیں کیا۔ غالب نے جس طرح اپنے ذوق شعر کو نکھارا اور سنوارا اس کے متعلق وہ اپنے خطوط اور دوسری تحریروں میں خود لکھتے ہیں۔

پندرہ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھتا رہا دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا اور اوراق کو ایک قلم چاک کیا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں ظاہر کیا ہے کہ پندرہ سال کی عمر سے لے کر پچیس سال کی عمر تک ذہن پر روایت پرستی کا اس درجہ دباؤ تھا کہ وہ خیالی مضامین سے آگے نہیں بڑھ سکے اس بیان سے ظاہر ہے کہ ۱۸۱۲ء سے ۱۸۲۲ء تک کا زمانہ وہ ہے جس میں غالب اپنے ذوق شاعری کی کمیوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس دور میں انہوں نے اپنی شاعرانہ پسند پر

...ح روشنی ڈالی ہے۔

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا اسداللہ خاں قیامت ہے یہاں...
... واضح ہے کہ ابتدا میں غالب نے بیدل کی پیروی کا...
... لیا ہے اس کا تعلق غالب کے بچپن کی ذہنی رسائی...
... ابتدا میں فارسی زبان کے مطالعہ سے غالب کے ذہن کو
... شاعری کی طرف سے ہٹانا چاہا تھا اور وہ بیدل کی
... کرنے لگے تھے۔ بیدل ایک صوفی شاعر تھے مگر غالب
... کا شاعر تھا ان کے اردو دیوان نے اور ان کے
... لے ان کی فنکارانہ شخصیت کا ہندوستان ... شاعر...
... لا دیا تھا۔ غالب سے لطف اندوز ہونے کی قابلیت
... لوں میں بڑھتی گئی اسی قدر ہندوستان میں ان کے ...
... والوں کی تعداد بڑھتی گئی اور ان کے مشکل اشعار
... بھی لوگوں پر کھلتے گئے۔

کلام ریختہ

مرزا نے ریختہ میں جو طریقہ ابتدا میں اختیار کیا تھا۔
... ہے وہ کسی طرح مقبول خاص و عام نہ ہو سکتا تھا لوگ سیدھے
... اشعار سننے کے عادی تھے روایت پرستی لوگوں کے

ذہنوں میں اپنا مقام بنا چکی تھی شعر کی سب سے بڑی خوبی یہی سمجھی جاتی تھی کہ ادھر شعر شاعر کے منہ سے نکلا اور ادھر سننے والے کے دل میں اتر گیا۔ مگر مرزا کے ابتدائی ریختے میں یہ بات نہ تھی جس طرح خیالات اجنبی تھے ویسے ہی زبان کا سمجھنا آسان نہ تھا۔ مرزا زیادہ تر فارسی کے الفاظ اور ان کی تراکیب اردو شاعری میں استعمال کرتے تھے اکثر ایسے اشعار ہوتے تھے کہ اگر ان میں ایک لفظ بدل جائے تو سارا شعر فارسی زبان کا ہو جاتا ہے۔ مرزا کے ابتدائی کلام سے بھی ان کی غیر معمولی اپج کا سراغ ملتا ہے ان کی طبیعت میں اتنی اپج تھی کہ انہوں نے اپنی ایک الگ راہ نکالی وہ عام روش پر چلنے سے گریز کرتے تھے پھر بھی عامیانہ خیالات اور محاورات سے پرہیز کرتے تھے۔

ایک صاحب نے جو غالباً بنارس یا لکھنؤ سے آپکے پاس تشریف لائے تھے مرزا کے ایک شعر کی ان کے سامنے نہایت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد تو ہو وہ کون سا شعر ہے۔ انہوں نے میر امانی جن کا تخلص اسد تھا جو مرزا رفیع کے شاگرد تھے یہ شعر پڑھا۔

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی　　میرے شیر شاباش رحمت خدا کی

چونکہ شعر میں اسد تخلص تھا انہوں نے یہ سمجھا کہ مرزا غالب کا شعر ہے۔ میرزا یہ سن کر بہت جزبز ہوتے اور فرمایا کہ اگر کسی اور اسد کا شعر ہے تو اس پر رحمت خدا کی اور اگر مجھ اسد کا شعر ہے تو مجھے لعنت خدا کی۔ مرزا کو اس شعر کا اپنی طرف منسوب ہونا اس لئے ناگوار گذرا ہوگا کہ میرے شیر اور رحمت خدا کی یہ دونوں محاورے زیادہ تر عامیوں اور صوفیوں کے ہوا کرتے ہیں۔ اسی قسم کی اور بہت سی حکایتیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عام طریقے پر چلنا پسند نہ کرتے تھے ان کے بارے میں ایک لطیفہ بہت مشہور ہے۔

مرنے سے آٹھ برس پیشتر انہوں نے اپنی تاریخ وفات نکالی تھی جن میں ۱۲۷۷ھ نکلتے تھے۔ اتفاق سے اسی سال شہر میں وبا پھیل گئی مگر مرزا زندہ بچ گئے اس واقع کے بارے میں ایک خط میں لکھتے ہیں میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی یعنی اس سنہ میں مجھے مرنا چاہیے تھا مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسر شان تھی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ زمانے کے خیالات کے موافق اردو شاعری کو داخل کمالات نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے

یہی وجہ تھی کہ اس زمانے کے بہت سے لوگ مرزا کے کلام پر اعتراض کرتے رہتے تھے لیکن مرزا کہہ کر ٹال دیتے تھے۔

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل انکو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

لیکن چونکہ مرزا کے ہمعصر بہت سے نکتہ سنج اور نکتہ شناس تھے۔ اسی لیئے وہ ریختہ کے لکھنے میں اپنی پوری توجہ صرف کرتے تھے اور اس میں اپنی برتری سمجھتے تھے۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ شاعر اور اس کے کلام کے رتبے کا پتہ اس کے کلام کی ضخامت یا اس کے کم ہوتے سے نہیں چلتا ہے بلکہ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے منتخب اور قابل تعریف اشعار کس قدر اس کے کلام میں موجود ہیں۔ میر کی قدر لوگ اس لیئے نہیں کرتے ہیں کہ انہوں نے ضخیم دیوان چھوڑا ہے بلکہ اس لیئے کرتے ہیں کہ انکے منتخب اشعار جن کی تعداد بہت کم ہے اپنی مثال نہیں رکھتے اور انہیں منتخب اشعار پر جن کی تعداد بہت کم ہے اپنی مثال نہیں رکھتے اور انہیں منتخب اشعار نے ان کو ریختہ گو شاعروں کا سرتاج بنا دیا ہے

مرزا کے اردو کلام میں غزل کے سوا قصیدے وغیرہ موجود ہیں لیکن ان کے منتخب اشعار کا دیوان بڑے سے بڑے

ضخیم دیوان پر فوقیت رکھتا ہے اور جس قدر بلند اور عالی خیالات مرزا کے ریختہ کلام میں نکلنے کی توقع نہیں ہے البتہ ہم کو مرزا کے اچھے اشعار جانچنے کے لئے الگ الگ معیار مقرر کرنا پڑے گا۔ ان کی غزل میں زیادہ تر ایسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں جن کو اور شعراء کی فکر نے بالکل نہیں چھوا ہے اور معمولی مضامین ایسے انداز میں ادا کئے ہیں جو سب سے نرالا ہے اور ایسی نزاکتیں رکھی گئی ہیں جن سے اکثر اساتذہ کا کلام خالی نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم پرانے اساتذہ کے کلام میں ایک ہی طرح کے خیالات دیکھتے دیکھتے اکتا جاتے ہیں اور اس کے بعد مرزا کے کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک نئی اور نرالی دنیا دکھائی دیتی ہے جیسے مندرجہ ذیل شعر جن سے ان کے خیالات کا اچھوتا پن ثابت ہوتا ہے۔

بسکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا
آدمی کو میسر نہیں انساں ہونا

مطلب :-

مندرجہ بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں آسان کام کا کرنا بھی دشوار ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جس کو

انسان کہا جاتا ہے اس کا بھی انسان بننا مشکل ہے اگر ...
ایک اور شعر ہے۔

ہو نشش کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو تو مرنا جینے کا مزا کیا

مطلب :-

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ چہل پہل ہے وہ موت ...
اس یقین کی بدولت ہے کہ یہاں رہنے کی مدت بہت کم ...
اور آدمی کی زندگی بہت تھوڑی ہوتی ہے اور یہ آدمی کی
عادت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت کم ہوتی ہے اسی قدر
زیادہ سرگرمی سے کام انجام دیتا ہے اور جس قدر زیادہ
مہلت ملتی ہے اسی قدر کام میں تاخیر زیادہ کرتا ہے۔

نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

مطلب :-

مندرجہ بالا شعر کا مطلب بظاہر مشکل ہے لیکن بالکل

انکا خیال ہے نیستی کو ہستی پر ترجیح دی گئی ہے اور ایک عجیب توقع خدا سے مل جانے کی ہے۔ پہلے مصرعہ کے معنی ظاہر ہیں دوسرے مصرعے سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو کیا برائی ہوتی اور اگر میں نہ ہوتا تو دیکھنا یہ چاہیئے کہ میں کیا چیز ہوتا مطلب یہ ہے کہ خدا ہوتا کیونکہ پہلے مصرع میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

مطلب :۔

یہ خیال بالکل اچھوتا ہے۔ غالب صاحب فرماتے ہیں کہ مشکلات کی کثرت سے ہی دنیا کے تمام رنج و غم مٹ جاتے ہیں یعنی رنج سہتے سہتے میں رنج و غم سہنے کا عادی ہوگیا اور میری تمام مشکلیں آسان ہوگئیں۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

مطلب :

غالب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر برہمن اس قدر وفادار ہے

اگر اپنی ساری عمر بت خانے میں کاٹ دے اور وہیں رہے تو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو کعبے میں دفن کیا جائے کیوں کہ اس نے وفاداری کا حق پورا پورا ادا کر دیا اور یہی اصل ایمان ہے کہ انسان کو وفادار ہونا چاہئے اور اس کو اس کی وفاداری کا حق ملنا چاہئے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

مطلب :-

غالب صاحب نے یہ شعر بہار کی تعریف میں لکھا ہے فرماتے ہیں کہ فصل بہار کی ہوا ایسی نشاط انگیز ہے کہ جیسے اس میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے اور فصل بہار کی ہوا کھانا بھی شراب پینے کے برابر ہے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مطلب :-

غالب صاحب کو اپنے گھر میں اپنے معشوق کے آنے پر بڑی حیرت ہوتی ہے اور وہ تعجب میں پڑ جاتے ہیں

اور اس حیرت و تعجب کی دلکش تصویر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اپنے معشوق کے گھر میں آنے پر کبھی اپنے گھر کو دیکھتا ہوں تو کبھی اپنے معشوق کو کہ ایسے گھر میں ایسا شخص تشریف لایا ہے۔

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

مطلب :-

غالب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں سب اہل ہمت ہی ہوتے جو دنیا کو معمولی سمجھ کر اور یہ سمجھ کر کہ دنیا میں چند روزہ قیام ہوتا ہے اس کی کوئی اہمیت نہ دیتے ایسی صورت میں دنیا ویران و برباد ہو جاتی۔ پس اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ کہ دنیا اسی سبب سے آباد نظر آتی ہے کہ اس میں اہل ہمت کی کمی ہے یعنی جس طرح میخانے میں جام و سبو کا شراب سے بھرا رہنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ میخانے میں کوئی میخوار نہیں ہے اسی طرح دنیا کا آباد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا ہمت رکھنے والے لوگوں سے خالی ہے۔
علاوہ نئے مضامین اور انوکھے خیالات کے اور بھی بہت سی خصوصیتیں ہیں جو غالب صاحب کے کلام میں ملتی

ہیں جو دوسرے شاعروں کے یہاں نہیں ملتی ہیں یا بہت کم پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ہمیشہ نئی نئی تشبیہوں کا استعمال کرنا نئے نئے محاورے استعمال کرنا۔ نئے نئے استعارہ اور کنایہ جو شعر کی جان ہوتے ہیں بخوبی شعر میں سمو دینا۔ سنجیدگی و متانت کے ساتھ شوخی و ظرافت کا دامن نہ چھوڑنا وغیرہ۔ غالب نے اپنے انداز بیان کے بارے میں اپنے ایک شعر میں خود فرمایا ہے

ہیں یوں تو زمانہ میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

مذکورہ بالا شعر میں غالب نے تنقید کا ایک نکتہ بیان کیا ہے اور اپنے ہمعصر شعرا کے کمال کا اعتراف تو کرتے ہیں لیکن ان کے لئے خود ان کا انداز بیاں چونکہ دوسروں کے مقابل میں مختلف ہے اس لئے اس پر فخر کرتے ہیں اس سے ان کی خودداری ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فکر میں ایک انوکھی دنیا دکھائی دیتی ہے اور وہ اپنا ایک نیا جہاں بسانا چاہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

جس طرح غالب کی شخصیت میں کچھ انوکھا پن اور ایک انوکھی شان دکھائی دیتی ہے اسی طرح انکے انداز بیان میں ایک انوکھی شان پیدا ہو گئی ہے انہوں نے اپنے زمانے کی زندگی کو ایک خاص طریقے سے دیکھا ہے اور اسے اپنے مخصوص انداز میں محسوس کیا ہے انہوں نے اردو غزل کے تنگ دامن کو پھیلانا چاہا ہے۔ انہوں نے کبھی کبھی خود سے سوالات کیئے ہیں اور آس پاس پھیلی ہوئی زندگی سے بھی سوالات کیئے ہیں مندرجہ ذیل اشعار سے یہ کیفیت ظاہر ہے۔

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اور ایسے ہی سوال و جواب میں وہ غزل کے دامن کو بھی کبھی کبھی تنگ سمجھتے ہیں اور خود فرماتے ہیں۔

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت میرے بیاں کیلئے

اب ہم غالب کی اس وسعت وعظمت کو ہر رنگ میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک شعر میں خود فرمایا ہے۔ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک۔

(۱) غالب بحیثیت فلسفی شاعر:-

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ غالب پر سب سے زیادہ اثر بیدل کا تھا اور بیدل کے اشعار میں بہت گہرا فلسفیانہ رنگ ملتا ہے۔ چونکہ غالب نے اپنے پیش نظر جو زندگی کا مقصد رکھا تھا وہ حکیمانہ اور ایک بڑے مفکر کا تھا انہوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر سیکڑوں اشعار لکھے ہیں شاعری ان کے لئے دل لگی کا سامان نہ تھی بلکہ زندگی کے نشیب وفراز اور اس کا مقصد اپنی شاعری میں کوٹ کوٹ کر بھر دینا اس کا اصل مقصد تھا اور چونکہ غالب کے حکیمانہ خیالات میں انفرادیت تازگی اور شعریت تھی اس لئے ان کا مقام بیدل سے بھی بہت بلند ہوگیا ہے۔ ان کے یہاں خیالات اور جذبات کا ایک ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو فلسفیانہ شاعری کو کم ہی نصیب ہوتا ہے۔ غالب ایک باقاعدہ فلسفی نہ سہی لیکن انکے

طریق کار نے ان کو ایک فلسفی شاعر بنا دیا ہے۔ جن کا اصل کام دل پر گذری ہوئی واردات اور تھی تجربات کا حکیمانہ اظہار تھا انہوں نے زندگی کے مصائب۔ غم اور خوشی۔ عام انسانی مشکلات کو اپنے اشعار کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ کبھی انہوں نے مسرت کا اظہار کیا ہے کبھی غم کا حقیقت یہ ہے کہ غالب بے اندازہ خواہشوں اور ارمانوں سے بھرا دل لے کر آئے تھے جن کا پورا ہونا بہت مشکل نظر آتا تھا آپ ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غالب نے زندگی کے انقلاب دیکھے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ جس طرح خوشی کمیاب ہے اسی طرح غم کی فراوانی بھی خوشی سے بڑھ کر ہے ان کے یہاں غم والم کے علاوہ سکون و صبر۔ اور رضا و تسلیم کا اظہار کثرت سے ہے۔ فرماتے ہیں۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

غالب نے سیکڑوں شعروں میں کوزے میں دریا بند کرنے کی کوشش کی ہے ان کی جدّت۔ باریک بینی۔ گہرائی نفسیات۔ تشبیہات نے ان کو ایک فلسفی شاعر کی حیثیت سے روشناس کردیا ہے۔ غالب کا فلسفہ ان کے فارسی کلام ارمغان غالب میں جسے انہوں نے زندگی کے عنوان سے منتخب کیا ہے بہت واضح طور سے نمایاں ہے۔

غالب کی شاعری میں عشقیہ مضامین اور ان کی انفرادیت

غالب کی شاعری میں عشقیہ مضامین بھی بڑی خوبی سے موجود ہیں ان کے کلام کے زیادہ حصے پر عشق مجازی حاوی ہے ان کے حکیمانہ انداز نظر۔ دلکش اسلوب اور والہانہ تخیل نے ان کی عشقیہ شاعری میں چار چاند لگا دئیے ہیں ان کے ہر شعر میں دل کی بے شمار دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ مجازی عشق سے گفتگو کرتے ہوئے غالب نے نفسیاتی حکمت کے عجیب عجیب معمے حل کئے ہیں۔ محبت کا جذبہ جس قدر شدید ہوتا ہے اتنا ہی ایک اچھے فنکار کے تخیل میں بلندی اور اس کی تخلیق اچھی ہوتی ہے۔

غالب کے اشعار عشق و محبت کا ایک بہتا ہوا دریا ہیں ان کا ہر شعر زندگی کی بولتی ہوئی تصویر نظر آتی ہے۔ اردو

غزل کے روایتی معشوق سے تنگ آکر غالب نے اپنے محبوب کی تلاش جنت میں بھی کی لیکن ان کو اپنا معشوق حوران خلد میں بھی نہ مل سکا۔ غالب کی عشقیہ شاعری روایتی انداز کی نہیں ہے وہ اپنے معشوق مجازی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کاش کہ تم میرے لئے ہوتے

اردو شاعری میں حسن وعشق کو ایک نمایاں جگہ حاصل ہے بلکہ اس بنیادی انسانی جذبہ کا اظہار ہنا کے ہر ادب میں ملتا ہے۔ خاص طور سے غزل گو شعراء نے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر طبع آزمائی کی ہے زمانے کے انقلاب و تغیرات کے ماتحت انہوں نے اس جذبہ کا اظہار کیا ہے غالب کی شاعری نے روایت پرستی کے زمانے میں آنکھیں کھولیں۔ روایتی ماحول میں ہی غالب کی پرورش ہوئی ان کے ماحول کے اثرات بھی پڑے لیکن اس کے باوجود غالب نے دوسروں کی تقلید سے اجتناب کیا۔ اپنی جدت پسندی کی بدولت روایات سے ہٹ کر عشق کا بھی ایک مخصوص تصور پیش کیا جس قدر ان کا شعور پختہ ہوتا گیا ہے اس قدر ان کی عشقیہ شاعری کا جذبہ لطیف اور گہرا ہوتا گیا ہے۔ انہوں نے عشقیہ شاعری کے روایتی انداز سے گریز بھی کیا ہے اور عشق کو

انسان کے لئے ایک ضروری جذبہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ ابتدا میں روایتی شعراء سے متاثر ضرور رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے عشقیہ شاعری کو فلسفیانہ رنگ عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مزاج میں جو لطافت و شائستگی تھی وہ ہمیشہ ان کی عشقیہ شاعری میں برقرار رہی ہے۔ ان کا عشق کبھی بھی ذہنی عیاشی کی صورت نہیں اختیار کرتا انہوں نے اپنی شاعری کو ہوس پرستی کا شکار کبھی نہیں ہونے دیا۔ ان کے نزدیک عشق بلندی سے عبارت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب کا عشق ایک بڑے باشعور انسان کا عشق ہے انہوں نے عشقیہ شاعری میں بلند نظری، حقیقت بیانی اور اخلاقی شعور سے کام لیا ہے۔ وہ آبروئے شیوۂ اہل نظر کے ہمیشہ محافظ رہے ہیں۔ اور یہی ان کی انفرادیت ہے لہذا فرماتے ہیں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

غالب بحیثیت قصیدہ گو شاعر:-

عربوں اور ایرانیوں کی شاعری قصیدہ اور غزل کے امتزاج سے عبارت ہے۔ قصیدے کی عمارت کسی شخص کی تعریف و توصیف پر

لکھی جاتی ہے۔ اُردو میں قصائد کی بنیاد کسی بادشاہ یا نواب کی تعریف و توصیف پر ڈالی گئی ہے۔ غالب نے زیادہ تر قصائد فارسی زبان میں لکھے ہیں اور اُن کے قصائد کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو نوابوں بہادر شاہ ظفر اور نئے انگریز حاکموں کی تعریف و توصیف ان کی جوانمردی۔ بہادری۔ دانشمندی۔ فتح مندی کی تہنیت و مبارکباد پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنے قصائد کی بنیاد محض انعامات حاصل کرنے اور حکمران طبقہ کی تعریف و خوشنودی پر رکھی ہے۔ غالب کے قصائد میں بھی ان کی زندگی کی انفرادیت کی جھلک ملتی ہے اور احساس برتری کا جذبہ کارفرما ہے۔ غالب نے قصائد میں عرفی کی پیروی کی ہے۔

غالب کے قصائد میں ان کی انانیت اور احساس خودداری کہیں پر بھی پوشیدہ نہیں ہے ان کی شخصیت چونکہ بہت حساس تھی اور ان کو مالی پریشانیاں بھی لاحق تھیں اس لئے اپنے غرور و وقار کی حفاظت رکھتے ہوئے انہوں نے قصیدے لکھے ہیں۔ انہوں نے اپنے قصائد کے بارے میں ایک جگہ خود لکھا ہے۔

کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ روش ہندوستانی

فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی بالکل بھاٹوں کی طرح لکھنا شروع کر دیں۔ میرے قصیدے دیکھو تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے۔

قطعات:-

غالب نے بہت سے قطعات اس زمانے میں لکھے ہیں جبکہ ان کو اپنی کوئی درخواست بادشاہ کے دربار میں گذارنی ہوتی تھی۔ ان قطعات میں بادشاہ کے دربار کے جو آداب ہوتے تھے ان کا خاص خیال رکھا ہے۔ بادشاہ کے دربار کا یہ ادب تھا کہ ــــ آپس میں جو وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ماتھے پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھ لیتے تھے چونکہ اردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں اس لیے غالب نے اسکو اس پیرائے میں یوں بیان کیا ہے۔

لو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں — دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں کرتے ہوئے سلام — ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکواتے تھے تو اکثر مصاحبین و اہل دربار کے لیے بطور کھانے کے بھیجا کرتے تھے۔

اس کے شکریہ میں کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی بادشاہ کے حضور میں گذارتے تھے ایک بار بادشاہ کے دربار میں بیسنی روٹی پکی اور وہ دربار کے لوگوں میں تقسیم کی گئی۔ چنانچہ یہ روٹی غالب کے پاس بھی آئی۔ اُنکے ایک شاگرد نے ان سے پوچھا۔ روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے کھانے کے لئے تقسیم ہو۔ آپ نے فرمایا احمق چنا وہ چیز ہے کہ اُس نے ایک دفعہ جناب الہٰی میں فریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوئے ہیں۔ مجھے دلتے ہیں پیستے ہیں۔ بھونتے ہیں۔ پکاتے ہیں اور مجھ سے سیکڑوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جتنا مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوتا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ اسے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جا ورنہ ہمارا بھی یہی دل چاہتا ہے کہ تجھے کھا جائیں۔ اس پر غالب نے بادشاہ کے پاس مندرجہ ذیل قطعہ لکھ کر بھیج دیا۔

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضورِ والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

رباعیات:-

چونکہ غالب کا کلام بہت مشکل ہوتا تھا اور ان کے معصر بہت سے روایتی شاعران کچھ تنقید کرتے رہتے تھے غالب کے لیئے یہ ایک مشکل مقام تھا اگرچہ وہ لوگوں کی خوشی کے مطابق شعر کہتے تو یہ اُن کے لیئے ایک بہت مشکل کام تھا کیونکہ اُن کی طبیعت آسان کہنے سے روکتی تھی۔ اور اگرچہ وہ آسان شعر نہیں لکھتے ہیں تو ان کے بہت سے دوستوں کو ان سے شکایت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ بُرا مانتے ہیں لہذا انہوں نے اس کشمکش کو مندرجہ ذیل رباعی میں ظاہر کیا ہے۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل — سن سن کے اسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش — گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

بادشاہ کے یہاں مونگ کی دال پکا کرتی تھی جو بادشاہ بھیجا کرتے تھے جو رباعی اس کے شکریہ میں لکھی گئی ہے۔

بھیجی ہے مجھے شاہ جمجاہ نے دال — ہے لطف وعنایت شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال — ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

مرزا غالب روزہ نہیں رکھتے تھے حالانکہ لوگ ان کو

کافی لعنت ملامت کیا کرتے تھے ایک بار بادشاہ نے بھی ان پر اعتراض کیا کہ مرزا آپ روزہ کیوں نہیں رکھتے تو انہوں نے مندرجہ ذیل رباعی میں روزہ کا مضمون باندھ کر دربار میں پیش کر دیا۔

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ میرا ایمان ہے غالب لیکن خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

مثنوی :-

مرزا غالب نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ان کی غزلیات۔ قصائد۔ قطعات اور رباعیات فن کے اعتبار سے بہت بلند ہیں جہاں تک مثنوی کا تعلق ہے انہوں نے کئی مثنویاں لکھی ہیں لیکن اُن کی مشہور مثنویوں میں چراغ دیر اور مثنوی دیر گہر بار بہت مشہور ہیں۔ جن کو غالب کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔

غالب نے مثنوی ابر گہر بار میں پیغمبر اسلام کے حالات نظم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مثنوی مرزا غالب نے عہد جوانی میں لکھنا شروع کی تھی۔ وہ شاہنامہ فردوسی کے مقابلے میں شاہنامہ اسلام لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اس کو وہ آخر عمر تک مکمل نہ کر سکے اس میں حمد نعت

اور مناجات کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ غالب نے مثنوی کو حمد سے شروع کیا ہے۔ حمد میں پہلے شکر ادا کیا ہے اور اس طرح اپنی انفرادیت کو قائم رکھا ہے اسمیں اللہ تعالےٰ کے وجود اس کی وحدانیت کو صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا ہے۔ نعت اور مناجات کے ساتھ ساتھ معراج نبوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ نعت کے بعد منقبت۔ منقبت کے بعد مغنی نامہ لکھا گیا ہے۔ اس کا آخری عنوان ساقی نامہ ہے۔ ساقی نامہ کا رواج مثنوی کے ساتھ عام رہا ہے۔ حالانکہ غالب نے یہ مثنوی فارسی زبان میں لکھی ہے لیکن فارسی زبان میں لکھی گئی مثنویوں میں اس کی انفرادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

غالب کا فارسی کلام:۔

فارسی زبان میں غالب نے ایک ایسا خزانہ چھوڑا ہے جس سے لطف اندوز نہ ہونا ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے غالب کے فارسی کلام میں ہر صنف شعر میں طبع آزمائی کی گئی ہے اور ہر منزل کو کلام تک پہونچایا گیا ہے لیکن افسوس کہ ہمارے بچے فارسی زبان تو دور کی بات ہے اردو زبان جو اپنے ملک میں پیدا ہوئی۔ اور پروان چڑھی سے

اچھی طرح واقف نہیں ہو سکے پائے۔ حالانکہ اُردو زبان کا مطالعہ کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ بچے کو فارسی زبان سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہو۔ کیوں اُردو زبان اہلِ فارسی اور اہلِ ہندی کی محبت سے پیدا ہوئی ہے۔ غالب کا فارسی کلام بھی پڑھنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔

بچوں ابھی ہم نے غالب کی اُردو شاعری ان کے فن ان کی انفرادیت اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ غالب ایک ممتاز شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک فلسفی۔ عالی ظرف۔ عالی دماغ حکیمانہ نظر رکھنے والے ایک انسان تھے۔ جنہوں نے انسانی زندگی کی تصویریں اپنے اشعار میں کھینچ کر رکھ دی ہیں۔

ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیا کا وہ عظیم کلچر اور اسکی تہذیب جسے ہر مذہب وملت کے لوگوں نے جس میں ہندو مسلمان سبھی شامل تھے سب نے مل کر بنایا تھا اور اسکی آبیاری اپنے خون اور پسینے سے کی تھی جس میں بہت سے لوگ شامل تھے۔ ان میں مرزا غالب کا نام سرِفہرست آتا ہے۔ اور وہ اس دور کی طرف کچھ اشارے کر کے گزر جاتے ہیں غالب نے مغلیہ سلطنت کے چراغ کو گل

ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ جنھوں نے انگریز حاکموں کا عروج دیکھا لیکن ان سے ہاتھ ملانا تک معیوب سمجھتے تھے۔ غالب جس نے بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار ہند کو غریب الوطنی میں اس جہاں فانی سے گذرتے دیکھا۔ غالب جس نے دلی کو اجڑتے اور برباد ہوتے دیکھا جس کا حساس دل اپنے تہذیب وتمدن کو مٹتے دیکھ کر رو پڑا جس نے دلی کی حالت اس طرح بیان کی۔ جس کی انفرادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

غالب کی تصنیفات

۱۔ دیوانِ غالب اُردو:۔

اکتوبر ۱۸۴۱ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ قیام کلکتے کے زمانے میں ان کی ملاقات مولوی سراج الدین احمد سے ہوئی اور ان کی فرمائش پر انہوں نے اردو اور فارسی کلام کا مختصر انتخاب کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے صرف اردو کلام کا ایک مفصل انتخاب بھی مرتب کیا۔ اس کیلئے الگ دیباچہ بھی لکھا۔ یہ دیوان ۱۰۸ صفحات پر مرتب کیا گیا ہے جس میں شعروں کی تعداد ۱۰۷۰ بتائی گئی ہے اس ایڈیشن کے نسخے بہت کمیاب ہیں

دیوانِ اُردو کا دوسرا ایڈیشن مئی ۱۸۴۷ء میں منشی نورالدین احمد لکھنوی نے دہلی میں چھاپا اس میں بھی مرزا کا لکھا ہوا دیباچہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایک ایڈیشن کانپور میں بھی چھپا۔

۲۔ عودِ ہندی:۔

غالب ایک مدت تک اپنے خطوط فارسی میں لکھتے رہے لیکن بعد میں انہوں نے فارسی میں خط لکھنا ترک کر دیا اور اس کے بعد برابر اُردو میں خط لکھتے رہے۔ غالب کے

خطوط جمع کرنے کا خیال سب سے پہلے ممتاز علی خاں میرٹھی کو ہوا انہوں نے ۳۱ خطوط چودھری عبدالغفور سے دستیاب کیے۔ جنھوں نے ان پر ایک دیباچہ بھی لکھ دیا اور یہ سارا مجموعہ جناب ممتاز علی خاں کے حوالے کر دیا۔ اس طرح ممتاز علی خاں صاحب نے بہت سے لوگوں سے غالب کے خطوط دستیاب کیے اور ۱۳۷ خط جمع کر لیے اس طرح ان خطوط کا مجموعہ ۲۷ر اکتوبر ۱۸۶۸ء میں شائع کر دیا اور اس کا نام عودِ ہندی رکھا۔

۳۔ اُردوئے معلّٰی :۔

خطوط کا یہ مجموعہ ۶ر مارچ ۱۸۶۹ء کو اُردوے معلّٰی کے نام سے چھپا جس میں ۴۴۴ صفحے ہیں۔ اس مجموعہ کے اکٹھا کرنے میں مرزا غالب نے خاص دلچسپی لی تھی لیکن اس کے چھپنے کے کچھ ہی دن پیشتر غالب کا انتقال ہو چکا تھا دوسرا حصہ ۱۸۹۹ء میں مولانا حالی کی فرمایش پر مولوی محمد عبدالاحد نے دہلی میں چھاپا جس کو مولانا حالی ہی نے مرتب کیا تھا اُردوئے معلی میں مرزا نواب علاؤالدین احمد خاں اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے بہت سے غالب کے دوستوں کو لکھے گئے خطوط شامل ہیں ــــــ

۱۹۲۲ء میں اس کا ایک ایڈیشن لاہور سے بھی چھپا ہے

۴۔ مکاتیب غالب :۔

۱۹۳۷ء میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتاب کتاب خانہ رامپور نے شائع کی۔ چونکہ غالب کی دربار رامپور سے بارہ برس تک خط وکتابت ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۵ء تک جاری رہی۔ خوش قسمتی سے ان میں اکثر خطوط ریاست رامپور کے دارالانشاء میں محفوظ تھے لہذا امتیاز علی خاں عرشی صاحب نے ان کو ترتیب دے کر مکاتیب غالب کے عنوان سے شائع کیا۔ اس سے پہلے ایڈیشن میں کل ۱۱۵ خطوط ہیں۔

۵۔ نادرات غالب :۔

غالب نے جو خطوط منشی نبی بخش حقیر اکبر آبادی کے نام لکھے تھے وہ میر مہدی مجروح اور میر افضل علی عرف میرن صاحب نے جمع کئے تھے۔ خوش قسمتی سے یہ مجموعہ محفوظ رہا اور میرن صاحب کے نواسے جناب آفاق حسین آفاق دہلوی نے نادرات غالب کے نام سے ۱۹۴۹ء میں شائع کر دیا

۶۔ غالب کی نادر تحریریں :۔

پچھلے بیس پچیس برس میں غالب کے بہت سے خط اور بہت سی تحریریں جو مختلف رسائل میں شائع ہوئی ہیں۔ یہی تمام چیزیں خلیق انجم صاحب نے جمع کر کے ۱۹۶۱ء میں غالب کی نادر تحریریں کے عنوان سے شائع کیں اور خود دیباچہ بھی لکھا۔

۷۔ نکات غالب واقعات غالب :۔

جس زمانے میں میجر فلر پنجاب کے محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر تھے۔ انہوں نے رائے بہادر پیارے لال آشوب سے فارسی زبان کی صرف لکھنے کی فرمائش کی اس پر انہوں نے دو مختصر رسالے ترتیب دیئے۔ نکات غالب میں یہ قواعد ہیں جو اردو زبان میں لکھے گئے ہیں رقعات غالب میں ان کے چند خطوط میں جو انہوں نے پنج آہنگ سے انتخاب کئے ہیں۔

۸۔ انتخاب غالب :۔

۱۹۲۶ء میں جشتیہ پریس حیدرآباد سے شائع ہوا۔ اس مختصر مجموعے کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے

لہٰذا اسے خود مرزا غالب نے مرتب کیا تھا اور یہ عودِ ہندی اور اردوے معلیٰ دونوں سے پہلے ۱۸۶۲ء میں شائع ہو گیا تھا۔ یہ مجموعہ ضیاء الدین خاں پروفیسر دلّی کالج نے انگریز افسروں اور فوجیوں کو اردو پڑھانے کے لئے مرزا غالب سے خود مرتب کرایا تھا۔

غالب اور مختلف مقامات کا سفر

کانپور اور لکھنؤ کا سفر:۔

مرزا غالب نے اپنی زندگی میں چند ہی ایسے سفر کیے ہیں جو قابلِ ذکر ہیں۔ کانپور اور لکھنؤ کا سفر غالب صاحب نے اس زمانے میں کیا جب کہ آپ کی پنشن کا جھگڑا چل رہا تھا۔ جس کا مقدمہ گورنر جنرل کی کونسل کلکتہ میں تھا۔ اگست ۱۸۲۶ء کے لگ بھگ وہ دہلی سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ پہلے کانپور پہونچے لیکن یہاں انکی طبیعت خراب ہوگئی اور علاج کا بھی معقول انتظام نہ ہوسکا اس لئے پالکی پر سوار ہوکر لکھنؤ تشریف لے آئے لکھنؤ میں غالب صاحب کی بڑی آؤ بھگت ہوئی کیونکہ انکے قدرداں یہاں پہلے سے موجود تھے۔ لکھنؤ کے اہلِ قلم ایک مدت سے مرزا صاحب کو لکھنؤ آنے کی دعوت دے رہے تھے۔ غالب لکھنؤ پہونچے تو بادشاہ غازی الدین حیدر کی سلطنت تھی۔ مگر سلطنت کے سیاہ سفید کے مالک سید محمد خاں عرف آغا میر تھے غالب کے دوستوں نے آغا میر تک خبر پہونچائی کہ غالب لکھنؤ میں موجود ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مرزا غالب کی ملاقات سے خوش ہوں گے غالب بھی ملاقات کے لئے

تیار ہو گئے ۔ وقت کی کمی کی بنا پر غالب کوئی قصیدہ انکی شان میں نہ لکھ سکے تھے ۔ مرزا غالب نے آغا میر سے ملنے کی ایک شرط لگائی کہ دربار میں میرے پہونچنے پر آغا میر ان کے لئے تیار نہیں ہوئے اور آغا میر سے غالب کی ملاقات نہ ہو سکی ۔

مرزا غالب تقریباً گیارہ مہینے لکھنؤ میں رہے اسکے بعد کانپور واپس چلے گئے ۔ مرزا غالب پر تحقیق کرنے والے ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہو سکی ہے کہ وہ قیام لکھنؤ کے بارے میں پوری معلومات رکھتے ہوں ۔ لکھنؤ کے حالات اور وہاں کی تہذیب و معاشرت کے بارے میں مرزا غالب کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وہاں کے حالات سے خوش نہیں تھے ۔ لکھنؤ پہونچ کر غالب نے جو غزل لکھی اسکے آخری تین شعر قابل توجہ ہیں ۔

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ہوس سیر و تماشا ہو وہ کم ہے ہم کو
مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو
لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب جادہ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

باندے کا سفر:-

جب مرزا غالب لکھنؤ سے کانپور پہونچے تو کچھ دیر آرام

کرنے کے بعد باندہ روانہ ہو گئے۔ باندہ کے نواب ذوالفقار علی بہادر سے غالب کی دور کی ننھیالی عزیزداری تھی۔ دونوں میں بہت دوستی تھی۔ غالب صاحب کو دیکھکر نواب ذوالفقار علی بہادر بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور بہت خوش ہوئے نواب صاحب نے غالب کو چھ ماہ تک اپنے یہاں رکھا ان کی بہت خاطر کی اور چلتے وقت سفر خرچ کے لئے انہیں چند تام کے ایک تھا جن سے دو ہزار روپئے قرض بھی دلوا دئیے تھے۔

باندہ کے صدر امین مولوی محمد علی خاں بھی انکے بہت کام آئے انہوں نے غالب کے کلکتہ پہونچنے پر ان کو دو سو روپئے بھیجے اور کلکتہ کے مشہور اور مالدار لوگوں سے غالب کا تعارف بھی کرایا۔

باندے میں غالب نے کئی غزلیں لکھیں اس میں سے ایک غزل کا مقطع ہے۔

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے حرمتیٔ یاراں وطن یاد نہیں

اس درمیان گورنر جنرل کلکتہ واپس جا چکے تھے دلی جانے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا تھا اس لئے باندے سے سیدھے کلکتہ جانے کے لئے سوچا۔ راستے میں الٰہ آباد

کچھ دن ٹھہرے لیکن اس شہر میں ان کو کچھ اچھا نہ معلوم ہوا وہاں سے بنارس کے لئے چل دیئے۔

۴۔ بنارس کا سفر:۔

الہ آباد میں ان کا دل نہ لگا اس لئے وہ بنارس چلے آئے اور کئی دن تک قیام کیا یہ شہر ان کو بہت پسند آیا۔ غالب نے اس شہر کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر میں بچپن میں یہاں آتا اور خانگی حالات میرے ٹھیک ہوتے تو میں یہیں رہ جاتا۔ بنارس کا تذکرہ انہوں نے اپنی مثنوی چراغ دیر میں کیا ہے۔ اس مثنوی میں انہوں نے صاف دل سے بنارس کی تعریف کی ہے۔ اگرچہ بنارس کے قیام کے بارے میں بہت کچھ حالات نہ مل سکے پھر بھی بنارس کا اثر اتنا گہرا تھا کہ ۳۳ سال کے بعد بھی وہ اس پر جان چھڑکتے تھے۔ میاں داد خاں کو انہوں نے ایک خط میں لکھا۔ بھئی بنارس خوب شہر ہے مجھ کو بہت پسند آیا۔ بنارس میں میاں داد خاں کے علاوہ اشرف حسین خاں سے بھی ان کے تعلقات تھے اور انہوں نے بہت سا کلام غالب صاحب کے پاس بطور اصلاح بھیجا تھا۔ اس طرح سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا غالب نے بہت دن تک بنارس میں قیام کیا

کلکتہ کا سفر:-

غالب بنارس سے کلکتہ تک ناؤ ہی سے جانا چاہتے تھے لیکن کوئی ملاح سو روپیہ سے کم لینے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے کشتی سے جانے کا ارادہ چھوڑ دیا اور کئی جگہ ٹھہرتے ہوئے ۲۰ فروری ۱۸۲۸ء کو کلکتہ پہونچے۔

کلکتہ میں ایک مکان شملہ بازار میں لے لیا۔ یہ مکان مرزا علی سوداگر کی حویلی تھا جہاں آرام و آسائش کے سبھی سامان مہیا تھے۔ غالب کو کلکتہ بہت پسند آیا اس کی دل کھول کر تعریف کی ہے خاص طور سے مندرجہ ذیل قطعہ بہت مشہور ہے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر ایسا کھینچ کے مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب
وہ نازنیں بتان خود آرا کہ ہائے ہائے
صبر آزما وہ انکی نگاہیں کہ حف نظر
طاقت ربا وہ انکا اشارہ کہ ہائے ہائے
وہ میوہ ہائے تازہ شیریں کہ واہ واہ
وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

مرزا غالب نے اپنی زندگی میں صرف ایک لمبا سفر کیا تھا جب ان کو اپنی پنشن کے مقدمہ میں دہلی سے کلکتہ جانا پڑا تھا۔ چونکہ غالب کو دلی سے اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہیں کرتے تھے مگر معاشی پریشانی نے

انہیں اس سفر کے لئے مجبور کیا۔ مولانا حالی نے اس سفر کے مقصد پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

کلکتہ جانے کا سبب یہ تھا کہ جب مرزا کے چچا نصراللہ بیگ خاں نے وفات پائی تھی اس وقت مرزا کی عمر نو سال کی تھی اور انکے بھائی کی عمر سات سال کی تھی۔ نصراللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد ان کے متعلقوں اور وارثوں کے لئے جن میں مرزا اور ان کے بھائی بھی شریک تھے جو پنشن گورنمنٹ نے ریاست فیروز پور جھرکہ پر محول کردی تھی جب تک مرزا صغرسن رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پاتے رہے جب سن تمیز کو پہونچے اور شادی ہوگئی۔ عالم شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ اثاثہ تھا وہ بھی چند روز میں سب خرچ ہوگیا لاچار فکر معاش دامنگیر ہوئی' دل مرزا کو غلط یا صحیح یہ خیال پیدا ہوا کہ فیروز پور جھرکہ سے جس قدر پنشن ہمارے خاندان کے لئے گورنمنٹ سے مقرر کرائی تھی اس قدر ہم کو نہیں ملتی۔ ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا ادھر قرض خواہوں کے تقاضے سے ناک میں دم آگیا تھا ادھر چھوٹے بھائی کو جنون ہوگیا۔

غالب ان حالات سے عاجز آگئے تھے۔ دوستوں کے

شورے پر فیروز پور جھرکہ گئے تاکہ نواب سے پنشن میں اضافہ کی درخواست کریں مگر ان کا یہ سفر ناکام رہا۔ نواب نے اس طرف کوئی توجہ دی اور سطے کیا کہ نواب نے پنشن کی جو تقسیم کی ہے اس کے خلاف کلکتہ میں گورنر جنرل کے یہاں اپیل کریں ان دنوں ہندوستان کی راجدھانی کلکتہ تھی۔

غالب جب کلکتہ پہونچے تو ان کی وہاں بہت قدر و عزت ہوئی علمی حلقوں اور وہاں کے حکام نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا کلکتہ میں مرزا غالب کو چند اچھے دوست بھی ملے۔ ان دوستوں میں خاص اہمیت مولوی سراج الدین احمد لکھنوی کو حاصل ہے جن کے نام مرزا غالب کے فارسی خطوط کافی تعداد میں ملتے ہیں اور انہیں کی فرمائش پر غالب نے کلکتہ میں اپنے اردو فارسی کلام کا انتخاب کیا۔ دوسرے دوست میر حسن لکھنوی تھے جو غالب کے بڑے قدردانوں میں تھے۔

کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مدرسہ کھول رکھا تھا جس کا نام مدرسہ عباسیہ تھا۔ اس میں ایک بزم سخن بھی قائم تھی اور وہاں ہر مہینے کی پہلی اتوار کو مشاعرہ بھی منعقد ہوتا تھا۔ غالب نے بھی اس کے مشاعروں میں شرکت کی ہے۔

کلکتہ میں غالب کو اپنے پنشن والے مقصد میں کامیابی

نہ حاصل ہوئی حالانکہ ان کا قیام کلکتہ میں دو سال تک رہا
گورنر جنرل سے بھی ملے لیکن ناکامی ہوئی۔ اور مجبور ہو کر
۱۱ نومبر ۱۸۲۹ء کو غالب دہلی واپس لوٹ آگئے۔ اپنے
اس سفر کے درمیان انہوں نے دو اچھی مثنویاں باد مخالف
اور چراغ دیر لکھیں ـــــ

حالاتِ غدر و کتاب دستنبو!

غدر کے زمانے میں مرزا غالب گھر سے بہت کم نکلتے تھے۔ وہ ایک دن تک بالکل باہر نہیں نکلے۔ جونہی بغاوت کا فتنہ کھڑا ہوا انہوں نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور غدر کے حالات لکھنے میں لگ گئے۔

حکیم محمود خاں ان کے پڑوسیوں میں تھے دہلی کے فتح ہونے کے بعد مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہی حکیم محمود خاں اور مرزا غالب کے مکان کی حفاظت کے لئے پہرے پر بیٹھے گئے تھے اس لئے وہ فتح مند سپاہیوں کی فتح کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہے لیکن پھر بھی ان کو طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا مرزا غالب کے چھوٹے بھائی جو تیس برس کی عمر میں پاگل ہو گئے تھے جب مرزا غالب نے دلّی میں سکونت اختیار کی تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لے آئے۔ مرزا کے مکان سے ان کا مکان تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ جس وقت دلی کی یہ حالت تھی مرزا اپنے بھائی کی طرف سے بہت پریشان رہتے تھے۔ ایک دربان اور ایک کنیز مرزا کے چھوٹے بھائی

مرزا یوسف کے پاس رہتے تھے ایک دن معلوم ہوا کہ مرزا یوسف کے مکان میں بھی سپاہی گھس آئے اور جو کچھ سامان لا دے گئے ـــــ ایک دن مرزا یوسف کے دربان نے مرزا غالب کو خبر دی کہ انکے بھائی کا پانچ دن سخت تپ دق میں مبتلا رہ کر انتقال ہو گیا ہے۔ اس وقت نہ تو کفن کے لیے کپڑا بازار میں مل سکتا تھا اور نہ غسال اور گورکن مل سکتے تھے۔ شہر کے قبرستان لے جانے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا مرزا سخت پریشان تھے۔ پٹیالے کے ایک سپاہی اور دو نوکروں کو ساتھ لے کر مرزا یوسف کے مکان پر پہونچے۔ ساتھ میں دو سفید چادریں بھی لیتے گئے۔ بعد تجہیز و تکفین کے مسجد کے صحن میں جو مکان کے قریب تھی دفن کر دیا مرزا نے دستنبوہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ دستنبوہ میں غالب نے غدر کے حالات بہت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اس کتاب میں اس وقت کے بہت سے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مرزا غالب اور منشی نول کشور۔

منشی نول کشور کا شمار اردو زبان کے ان چند محسنوں میں کیا جاتا ہے جن کی کوششوں نے اردو زبان کو بہت ترقی دی۔ اردو ادب میں ان کا ایک نمایاں مقام ہے۔ انہوں نے اسلامی علوم وفنون پر بہت سی کتابیں شائع کی ہیں۔ لکھنؤ سے ایک اودھ اخبار بھی نکالتے تھے۔

مرزا غالب کو منشی نولکشور کے کارناموں کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں کیونکہ اودھ اخبار پابندی سے مرزا غالب کے پاس پہنچتا تھا۔ منشی نولکشور نے غالب کی کئی کتابیں چھاپی ہیں۔

مرزا غالب کے خطوط منشی نولکشور کے پاس آتے رہتے تھے۔ ایک بار منشی نولکشور نے مرزا غالب سے خط وکتابت کے ذریعہ ان کی تصانیف طبع کی اجازت بھی مانگی تھی۔ مرزا غالب کے خطوط جو انہوں نے منشی نولکشور کو لکھے ہیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا غالب انہیں کس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

منشی نولکشور کے انتقال کے بعد ان کی قائم کردہ پریس سے غالب کے بارے میں بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں دیوان غالب" فارسی" کلیات نظم غالب" فارسی" دیوان غالب" اردو" عود ہندی۔ برہان قاطع کلیات نثر غالب فارسی۔ فارسی کے خطوط قابل ذکر ہیں۔

بازیچۂ اطفال



ڈراما

فرید عشرتی

بازیچۂ اطفال

ڈراما

اشخاص

مرزا اسداللہ خاں غالب

میر مہدی مجروح

داروغہ کلو
نیاز علی
مدار خاں
} مرزا غالب کے نوکر

پیر صاحب :۔ مالک حویلی گلی قاسم جان

فقیرے :۔ پیر صاحب کا ملازم

تین لڑکے :۔ مکتبہ علوم مشرقیہ کے طالب علم

دربان :۔ چار کہار

پہلا ایکٹ

دن کے دس بج رہے ہیں۔ حویلی کا بیرونی پھاٹک۔ پھاٹک کے اوپر ایک کمرہ۔ پھاٹک کے بعد ایک چھوٹا سا صحن۔ صحن کے بعد دالان۔ دالان میں مرزا اسداللہ خاں غالب اپنے مخصوص انداز میں تشریف فرما ہیں۔ سرخ و سفید رنگ۔ بھری ہوئی داڑھی سر پر سیاہ پوستین کی ٹوپی۔ ململ کا انگرکھا اس پر رنگین جامہ وار چغہ ہے کا سفید پائجامہ پہنے گاؤ تکیے سے لگے بیٹھے ہیں۔ پاس میں حقہ اور نقشی اگالدان رکھا ہے۔ دالان میں ہر چیز نفاست سے رکھی ہے دائیں طرف میر مہدی مجروح بیٹھے ہیں۔ ایک ایک کر کے تین لڑکے کارچوبی کی گول ٹوپیاں اور ململ کے انگرکھے پہنے دالان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پہلے السلام علیکم کہتے ہیں پھر پوچھتے ہیں۔

پہلا لڑکا: کیا مرزا اسداللہ خاں غالب صاحب تشریف رکھتے ہیں

میر مہدی مجروح: آئیے آپ لوگ تشریف رکھئے۔

اتنے میں مرزا غالب خود بول اٹھتے ہیں۔ جی ہاں تشریف

رکھئے صرف تشریف ہی نہیں رکھتے بلکہ آپ لوگوں کے سامنے موجود ہیں۔ اس ناچیز کو غالب کہتے ہیں۔ فرمائیے کیا بات ہے کہاں سے تشریف لائے ہیں آپ لوگ۔

پہلا لڑکا :۔ آپ کی عظمت و شہرت سن کر ہم لوگ اُردو بازار سے حاضر ہوئے ہیں۔ آج ہم لوگ چاہتے ہیں کہ چند لمحے آپکی خدمت میں گزاریں اور آپ کے فن۔ آپ کی شخصیت۔ عظمت و شوکت کے بارے میں کچھ جان سکیں۔ بڑی عنایت ہوگی اگر آپ اپنے حالات زندگی پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ ہم لوگ آپ کے بہت احسان مند ہونگے۔

مرزا غالب :۔ عجب کشمکش میں لیکن کچھ سوچ کر میر مہدی مجروح کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے یہ کام میرے بجائے آپ انجام دیتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ آپ سے کیا چھپا ہے آپ میرے بارے میں سب جانتے ہیں۔ پھر اپنا ایک شعر پڑھتے ہیں۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

میر مہدی مجروح :۔ آپ کا حکم سرآنکھوں پر۔

پہلا لڑکا :۔ حضور یہ نہیں ہوسکتا۔ گستاخی معاف فرمائیے گا۔ ہم لوگ اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کی کہانی آپ ہی کی

زبانی سن جائے ۔ ورنہ مزا کیا رہ جائے گا۔

مرزا غالب: ۔ نگاہیں اونچی کرتے ہوئے بڑی شگفتگی کے ساتھ

اچھا تو پوچھیے کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ حضرات ۔

پہلا لڑکا: ۔ آپ کے آباؤ اجداد کہاں سے تشریف لائے تھے آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی کیا تھا ۔ سنا ہے آپ قوم سے ترک ہیں یہ قوم تلوار کی دھنی اور بات کی پکی ہوتی ہے ۔ آپ نے تلوار کے مقابلے میں قلم کو ترجیح کیوں دی کسی فوج کے ملازم ہوئے یا نہیں ۔ آپ کہاں اور کب پیدا ہوئے ۔

مرزا غالب: ۔ کیا پوچھتے ہو میرے بارے میں ۱۲۱۲ھ میں شہر آگرہ میں پیدا ہوا ۔ میرے دادا شاہ عالم کے زمانے ہندوستان آئے تھے ۔ میرے والد جن کا نام عبداللہ بیگ تھا ۔ پہلے لکھنؤ ۔ پھر حیدر آباد میں ملازم ہوئے بعد میں چلے گئے اور وہیں کسی لڑائی میں مارے گئے اس وقت میری عمر پانچ سال کی تھی ۔ میرے چچا نے میری پرورش کی لیکن تین سال بعد یہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ اب کیا بتاؤں ۔

پہلا لڑکا: ۔ خدا نے آپ پر بڑے بڑے ظلم کیے ہیں ۔ اتنی کم عمری میں باپ اور چچا کا سایہ سر سے اٹھ جانا ۔ آفتاب کا

سوا نیزے پر آجا تا ہے۔ پھر آپ کی تعلیم و تربیت کیسے ہوئی؟

مرزا غالب:۔ شیخ معظم جیسا معلم باتھ لگ گیا تھا میں نے اسکا دامن تھام لیا اس لئے مجھ کو فارسی اور اردو زبان اچھی طرح سکھادی۔ پھر بھی جو کچھ رہی سہی کسر تھی ملا عبدالصمد جو فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے پوری کردی میرا بچپن بہت شاندار گزرا ہے۔ ننہال خوش حال تھا اس لئے میں بھی مست تھا۔ بچپن سے مطالعہ کا شوق رہا سو ابتک ہے۔

دوسرا لڑکا:۔ حضور تمام عمر مطالعہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس کافی کتب ہوں گی۔ ان میں سے دو ایک کتابیں مجھ کو پڑھنے کے لئے دیجئے۔ دو چار دن بعد آپ کی کتابیں بخوبی واپس کردوں گا۔

مرزا غالب:۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری یہ خواہش نہ پوری کرپاؤں گا۔ باوجود اس کے کہ ساری عمر پڑھنے لکھنے میں گزری۔ جس طرح تمام عمر رہنے کے لئے مکان نہیں خریدا اسی طرح کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ ہمیشہ کتب فروش کی دوکانوں سے کتابیں کرائے پر منگا لیتا ہوں اور مطالعہ کے بعد واپس کردیتا ہوں۔

دوسرا لڑکا:۔ ہم لڑکوں کو بھی ایسا کرنا چاہئے۔ والدین کہاں تک

کتابوں کے اخراجات برداشت کریں۔ لیکن حافظہ بھی ایسا ہونا چاہئے کہ کتاب ذہن میں اتر جائے ورنہ مطالعہ سے کیا فائدہ۔

مرزا غالب :۔ میں تو ہر کتاب اس طرح دیکھتا ہوں کہ دوبارہ دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بہت سی باتیں ذہن میں محفوظ کر لیتا ہوں۔ بعض اوقات تو مطالعہ میں اتنا غرق ہو جاتا ہوں۔ کھانا رکھا رہ جاتا ہے۔ بیوی ناک میں دم کر دیتی ہیں پہلے کھانا کھا لیجئے مطالعہ بعد میں کیجئے گا۔ لیکن کتاب اٹھانے کے بعد رکھنے کا دل ہی نہیں چاہتا۔

دوسرا لڑکا :۔ حضور تو آپ کی بیگم بہت چراغ پا ہوتی ہوں گی یہاں تو امی کا یہ حال ہے کہتی ہیں پہلے کھانا کھا لو پھر کتابیں لے کر بیٹھنا کمبخت

مرزا غالب :۔ میری بیوی جن کا نام اُمراؤ جان ہے۔ سچی خدا پرست ہیں ادھر نماز سے فارغ ہوئیں ادھر کھانے کا تقاضا شروع ہو گیا۔ میر مہدی مجروح تو ان کو خوب جانتے ہیں۔

پہلا لڑکا :۔ سچ ہے عورتیں خدا کو زیادہ پہچانتی ہیں۔ ان کو دو ہی کام آتے ہیں خانہ داری یا نماز روزہ۔ آپ کی شادی کہاں اور کب ہوئی تھی۔

مرزا غالب :۔ شادی کے بارے میں کیا پوچھتے ہو، ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی (بیوی) میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلّی کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا گیا ـــ

پہلا لڑکا :۔ دلی تو بہت خوبصورت شہر ہے حضور پھر آپ اسکو زندان کیوں کہتے ہیں۔ لال قلعہ۔ جامع مسجد حضرت نظام الدین اولیا کا مزار اُردو بازار کیا نہیں اس شہر میں موجود ہے ہمارے لئے تو جنت ہے یہ شہر۔

مرزا غالب :۔ ابھی تم لوگ ابھی دلی سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔ اسکی خوبصورتی میں کیا شک ہے لیکن اس کے [illegible] کتنی بار اجڑی۔ ویران ہوئی۔ ویران ہوکر آباد ہوئی۔ بہاریں اس شہر میں داخل ہوئیں [illegible] دھوم سے جھونکوں نے اس کو کہیں کا نہ رکھا۔ بیٹا [illegible]ب سے دلّی میں انگریزوں نے قدم جمانا شروع کئے ہیں میرے لئے زندان ہے یہ شہر ہر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ پاؤں میں بیوی کی بیڑی پڑی ہے بھاگ کر جاؤں تو کہاں۔ کئی جگہ کے سفر کئے لیکن لوٹ کر اسی زندان میں قیام کیا۔ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ ہوا تم لوگ جانتے ہو گے۔

دوسرا لڑکا :۔ ۱۸۵۷ء میں جب دلّی کی بُری حالت تھی۔ قیدوبند کی

زندگی تھی ۔ جینا دشوار ہوگیا تھا ہر شخص پریشان حال تھا۔ دلّی کی تہذیب ختم ہو رہی تھی ۔ انگریزوں کے قدم دلّی میں اچھی طرح جم چکے تھے ۔ باغیوں کو سرِ بازار پھانسی دی جاری تھی اس وقت آپ اور آپ کے بال بچے کہاں تھے اس حویلی میں یا شہر کے باہر۔

مرزا غالب :۔ بھئی بال بچّوں کے بارے میں کیا پوچھتے ہو۔ جو تہتّر برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے ۔ لڑکے بھی لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہیں ہوئی ۔ البتہ میری بیوی کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کا انتقال ہو چکا تھا ۔ اس کے دونوں بچے اس وقت میرے پاس موجود تھے ۔ دو تین نوکروں اور ان دو بچوں کے ساتھ میں اس حویلی میں قید تھا جس میں تم لوگ بیٹھے ہو۔

دوسرا لڑکا :۔ تو کیا آپ اس حویلی میں قید تھے ۔ انگریزوں نے آپ کو شہر بدر نہیں کیا تھا ۔ یا حکم تھا کہ آپ اس حویلی میں قید و بند کے عالم میں رہیں۔

مرزا غالب :۔ بیٹا قید سے مراد ہے کہ میں اس حویلی کے باہر بہت کم آتا جاتا تھا ۔ نکلتا ضرور تھا تاکہ باہر کے حالات معلوم ہوتے رہیں لیکن بہت ہوشیاری کے ساتھ ۔ قید تو میں ایک بار ہوا ہوں یہ میری زندگی کا سب سے دلچسپ حادثہ ہے ۔ بھئی

ایک مرتبہ قمار بازی کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف۔ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں۔ باوجود یہ کہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے میرے بارے میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سیشن جج باوجود یہ کہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور مہربانی کا برتاؤ برتتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا۔ اس نے بھی تغافل اختیار کیا۔

پہلا لڑکا:۔ آپ جیسے عظیم شاعر اور عالی مرتبت ہستی کے لئے قید بند کی زندگی کہاں تک درست ہے۔ اپیل کیوں نہیں کی۔ کون سا ایسا گناہ کیا تھا اول تو شاعر کا جرم ہی کیا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایک معصوم گنہگار کی طرح زندگی گزار دیتا ہے کمبختوں نے آپ کو جیل کیوں بھیج دیا۔

مرزا غالب:۔ تم سے تو بیچ میں تقریر کرنا شروع کر دی پورا قصہ تو سنو۔ میں نے صدر میں اپیل کی لیکن کسی نے کچھ نہ سنا۔ وہی حکم بحال رہا۔ پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد گذر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میری رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے ایسی رپورٹ بھجوانے پر اس کی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رحم دل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفرین کی اور میری خاکساری اور

آزردہ حالی سے اس کو مطلع کیا۔ یہاں تک کہ خود بخود اس نے میری رہائی کی رپورٹ بھیج دی۔ میں ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا۔

تیسرا لڑکا:۔ سچ ہے حضور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا۔ جس وقت آپ قید و بند کی زندگی گذار رہے تھے اس وقت جس حویلی میں ہم لوگ بیٹھے ہیں ویران ہو گئی ہوگی۔ اس لئے در و دیوار ان کے لئے رو رہے ہوں گے۔ نوکروں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ حویلی ماتم کدہ بن گئی۔ اس حویلی میں آپ کب سے مقیم ہیں۔

مرزا غالب:۔ بیٹا کیا پوچھتے ہو دس گیارہ برس سے اس تنگنائے میں رہتا ہوں۔ سات برس تک ماہ بماہ چار روپے دینے لگا۔ تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو یکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا جس نے لیا ہے اس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا۔ مکان خالی کرو۔ مکان کہیں ملے تو اٹھوں۔ بدعہد نے مجھ کو عاجز کیا اور صحن کی صحن بالا خانے کا جس کا دو گز عرض اور دس گز طول اس میں باڑھ بندھ گئی۔ رات کو وہیں سوتا ہوں۔ گرمی کی شدت بارش کا قرب۔ گمان یہ گذرتا ہے کہ کٹہرا ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملے گی۔ تین راتیں اسی طرح گزر چکی ہیں اب

دوسرے مکان کی تلاش ہے۔

تیسرا لڑکا ۔ حضور والا آپ کو مکان کی تلاش ہے چلیئے آج ہی دوسرا مکان تلاش کیئے دیتا ہوں۔

پہلا لڑکا :۔ قبلہ قاسم جان کی گلی میں ایک مکان خالی ہے۔ یہ مکان میر صاحب کا ہے اگر پسند آجائے تو ضرور لے لیجئے مکان اس حویلی سے چھوٹا ہے لیکن اچھا ہے۔

مرزا غالب :۔ بھئی تم لوگ کام کے جان پڑتے ہو۔ مکان ضرور دیکھوں گا پالکی کا انتظام کرواتا ہوں۔ گھر میں بھی مشورہ کرلوں پھر نوکروں سے پالکی منگواؤں۔ کہاروں کے بندوبست کے لئے آدمی بھیجوں۔ یہ کہہ کر مرزا غالب بالاخانے کی طرف چل دیئے ہیں۔ میر مہدی مجروح جو خاموشی سے تمام گفتگو سن رہے تھے لڑکوں کی طرف مخاطب ہیں۔

میر مہدی مجروح :۔ مرزا کی شخصیت انتہائی پرکشش ہے ماشاءاللہ سے تم لوگ بہت ذہین ہو بڑی خوبصورتی سے مرزا سے گفتگو کی ہے ورنہ ان کا یہ عالم ہے کہ بہت کم بولتے ہیں۔ جو بات بولتے ہیں لطیفے سے خالی نہیں ہوتی۔ کس درجہ کے طالب علم ہیں آپ لوگ کہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

پہلا لڑکا :۔ ہم لوگ مکتبہ علوم شرقیہ میں تعلیم پاتے ہیں اور نویں درجہ کے طالب علم ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد مرزا غالب دیوان خانے میں دوبارہ تشریف لے آتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ صاحبو کھانا تیار ہے۔ پہلے کھانا کھا لیا جائے۔ شام تک مکان دیکھنے چلیں گے۔

لڑکے کھانا نہ کھانے کا عذر پیش کرتے ہیں پھر رخصت ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ شام کو چار بجے دوبارہ حاضری کا وعدہ کرتے ہوئے حویلی کے باہر آجاتے ہیں۔

دوسرا ایکٹ

مرزا کی حویلی کے پھاٹک کے سامنے پالکی رکھی ہے۔ مخمل کی مسند اس کے اندر لگی ہے۔ ایک طرف گاؤتکیہ رکھا ہے۔ پالکی کے اوپری حصہ پر کارچوبی کے کام کا ایک پردہ پڑا ہے۔ یہ پردہ تھوڑا چاروں طرف لٹک رہا ہے۔ پاس تین چار کہار اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ مرزا صاحب پالکی میں سوار ہوں۔ پھاٹک کے اندر تین لڑکے مرزا صاحب کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ مرزا صاحب تشریف لا چکے ہیں۔ سر پر سیاہ لمبی ٹوپی ہے۔ ململ کا انگرکھا پہنے ہوئے ہیں۔ برکا سفید پائجامہ پہنے پالکی کے اندر آہستہ آہستہ سے سوار ہو جاتے ہیں

لڑکوں کی طرف آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہاروں سے پالکی لے چلنے کو کہتے ہیں۔ پالکی گلی قاسم جان میں مسجد کے پاس آکر رک گئی ہے۔ لیکن اس انتظار میں مرزا پالکی سے نہیں اترے ہیں کہ مالک مکان آئیں۔

لڑکے قاسم جان کی حویلی میں داخل ہو جاتے ہیں دربان کے ذریعے کہلا بھیجتے ہیں کہ مرزا اسد اللہ خان غالب تشریف لے آئے ہیں۔ مکان دکھا دیجئے

دربان:۔ اللہ نے بندہ پروری کی ہے مالک نے کہلا بھیجا ہے کہ کہہ دو ابھی حاضر ہوا۔ جب تک مرزا صاحب کو حویلی کے دیوان خاص میں تشریف رکھنے کے لئے کہا جائے۔ آپ لوگ مرزا صاحب کو حویلی کے دیوان خاص میں لے آئیے۔

لڑکے:۔ بہت اچھا ہم لوگ مرزا صاحب کو ابھی لئے آتے ہیں۔ تم دیوان خانے کو ذرا دیکھ لو ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔

لڑکے:۔ حضور والا تشریف لے چلئے آپ سے دیوان خاص میں مالک مکان نے تشریف رکھنے کے لئے کہلا بھیجا ہے۔

مرزا غالب:۔ تم لوگوں کو معلوم ہے۔ اٹھے پھر آئے درکعبہ اگر وا نہ ہوا۔ میں کسی کا انتظار نہیں کرسکتا۔ اگر مالک مکان کو مکان کرائے پر اٹھانا ہے تو میرے پاس خود آئے اور مجھ کو

پالکی سے اُتار کر جہاں چاہیے لے چلیئے۔ میں مکان دیکھنے آیا ہوں کسی کے دیوان خاص میں کسی کا انتظار کرنے نہیں آیا ہوں۔

اتنے میں میر صاحب جواب اس حویلی کے مالک ہیں۔ پالکی کی طرف نکلتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا خادم فقیرے ان کے پیچھے آتا دکھائی دے رہا ہے۔ فقیرے بونے قد کا گول مٹول۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں اس کے چہرے پر لٹک رہی ہیں۔ میر صاحب کا بہت منہ چڑھا ہے۔

میر صاحب:۔ حضور تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ۔ میں ان کا انتظار کر رہا تھا ان بچوں نے دوپہر میں اطلاع دی تھی کہ آپ تشریف لائیں گے۔ کہیئے کیا حکم ہے آپکا ہر حکم سر آنکھوں پر۔

مرزا غالب:۔ آج صبح مجھ کو ان بچوں نے اطلاع دی کہ آپکا ایک مکان خالی ہے۔ میں نے سوچا دیکھا جائے۔ سو حاضر ہوا ہوں۔

میر صاحب:۔ آیئے تشریف لایئے مکان بعد میں دیکھا جائے گا پہلے میرے غریب خانے پر تشریف لے چلیئے۔ ناشتہ آپکا انتظار کر رہا ہے۔

مرزا صاحب :۔ مرزا صاحب پالکی سے اترتے ہی میر صاحب کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ تینوں لڑکے بھی چل دیتے ہیں۔ مرزا غالب کی نظر اچانک فقیرے پر جا کر رک جاتی ہے۔ کبھی اس کے چہرے پر کبھی قد پر۔

فقیرے :۔ حضور تشریف لے چلیئے آپ کو مکان دینے کیلئے مالک سے ضرور کہوں گا۔ آپ جیسے لوگ اگر اس گلی میں آ گئے تو گلی آباد ہو جائے گی۔

میر صاحب :۔ آہستہ سے فقیرے کا ہاتھ دباتے ہوئے ابے چپ" تیری زبان رکنے کا نام نہیں لیتی وقت بے وقت چلا ہی کرتی ہے۔ فقیرے مونچھوں کو دانتوں کے نیچے دباتے ہوئے ایک مخصوص انداز میں خاموش ہو جاتا ہے۔ لیکن مرزا صاحب جو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ فقیرے کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔

مرزا غالب! فقیرے بہت دلچسپ ہو۔ خدا کرے تمہاری مونچھوں کی رکھوالی جنت میں حوریں کریں حوریں۔ ان مونچھوں کا قلم کہاں سے منگوایا ہے۔

فقیرے :۔ حضور ملیح آباد سے جہاں سے آپ لوگ آم منگواتے ہیں یہاں کے خالی صاحبان زندگی میں دو ہی کام کرتے ہیں۔ پہلا کام تو آم کی باغیں لگواتے ہیں۔

دوسرا کام بڑی بڑی مونچھیں رکھوا تے ہیں۔ بہت ہی غضب کے لوگ ہوتے ہیں۔

مرزا غالب:۔ زوردار قہقہے کے ساتھ واقعی فقیر یہ بہت دلچسپ ہو۔ آم میری مرغوب غذا ہے اور مونچھیں تمہاری۔ ادھر میر صاحب نے ڈانٹ بتائی ادھر تم نے دانتوں کے نیچے مونچھیں دبالیں۔

میر صاحب:۔ حضور تشریف لے چلئے یہ کمبخت یونہی بکتا رہتا ہے بعض اوقات اس سے طبیعت بہت عاجز آجاتی ہے اور بعض اوقات بے تحاشا ہنسی آجاتی ہے۔

(پھر وہی کچھ پرانی عمارتوں والی گلی حکیم محمد شریف خاں کی مسجد سے شروع ہوئی ہے۔ پاس ہی میر صاحب کی حویلی ہے۔ مرزا غالب حویلی میں داخل ہو رہے ہیں۔ پہلے دربان آداب بجالاتا ہے۔ پھاٹک کے سامنے ایک بڑا سا صحن ہے صحن ختم ہوتے ہی ایک چبوترا دکھائی دیتا ہے۔ اس سے ملا ایک بڑا سا دالان ہے۔ دالان تک پہونچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہیں۔ مرزا غالب اس دالان میں بیٹھ چکے ہیں پاس ہی تینوں لڑکے اور میر صاحب بیٹھے ہیں۔ جہاں پر دالان کا فرش ختم ہوتا ہے فقیرے خاموش اس انتظار میں کھڑا ہے کہ مالک کی طرف سے کوئی حکم ہو۔ دالان واقعی کسی رئیس کا دیوان

خاص نظر آ رہا ہے۔

میر صاحب:۔ فقیرے دیکھتے کیا ہو۔ آج اس حویلی میں مرزا غالب جیسی شخصیت جلوہ افروز ہے اور تم خاموش تماشائی کی طرح کھڑے ہو۔ جاؤ پان لگواؤ اور بیگم صاحبہ سے پوچھو ناشتہ تیار ہے۔

فقیرے:۔ اچھا حضور جو حکم سرکار کا ابھی جاتا ہوں اور فوراً واپس آتا ہوں۔

مرزا غالب:۔ پان تو میں کھاتا نہیں۔ بھئی تمہارا خادم خوب ہے مجھکو بہت پسند ہے بڑا حاضر جواب جان پڑتا ہے۔

میر صاحب:۔ حضور کیا کہوں ایک دلچسپی کا سامان ہے۔ اس کے بغیر ایک پل چین سا نہیں آتا اور لطف اوقات اس کی موجودگی بھی کھل جاتی ہے۔

مرزا غالب:۔ ایسے آدمی کمیاب ہیں پھر آجکل جبکہ آدمی پر آدمی کا اعتبار اُٹھتا جا رہا ہے اچھے ایماندار نوکر کا ہاتھ لگ جانا بھی قسمت کی بات ہے

فقیرے:۔ حضور پان حاضر ہیں چاندی کا خاصدان بڑھاتے ہوئے بیگم نے کہلا بھیجا ہے کہ ناشتہ تیار ہے

میر صاحب:۔ مرزا صاحب پان نہیں کھاتے۔ ابھی پان رہنے دو پہلے ناشتہ لگا دو جلدی کرو۔

مرزا غالب :- اجی چھوڑیئے ناشتہ میں تو اس وقت ناشتہ کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ ان بچوں کو ضرور ناشتہ کرا دیجئے میں معافی چاہتا ہوں آئندہ کبھی شام ضرور آپ کے کھانے پر دیکھا جائے گا۔

میر صاحب - حضور یہ تو نہیں ہو سکتا آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائیں اور ہم آپ کو ایک گلاس پانی کے لیے نہ پوچھیں بیگم نے یہ سن کر کہ آپ تشریف لا رہے ہیں بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ ناشتہ لگایا ہے۔ ایک بھی نوکر باورچی خانے میں گھسنے نہیں دیا بلکہ سارا ناشتہ خود ہی تیار کیا ہے۔ شاہی ٹکڑے شیر برنج۔ شیر مال شامی کباب۔ شاہی بیسن کی وغیرہ وغیرہ۔ ساری چیزیں بڑی کاوش سے پکائی ہیں۔

مرزا غالب :- اچھا بہت خوب پھر فقیرے کو پاس بلاتے ہوئے رازدارانہ طور پر فقیرے اپنا کان ادھر لاؤ۔

پہلے تو فقیرے ہچکچا سا جاتا ہے۔ سب لوگ حیرت سے غالب کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ لیکن کچھ سمجھ کر آہستہ آہستہ فقیرے اپنا کان غالب کے پاس لے جاتا ہے۔

مرزا غالب :- بہت چپکے سے کان تو ساری چیزیں بڑی کاوش سے لگائی ہیں بیگم صاحبہ نے۔ مگر خاص چیز تو تم گن نا بھول گئے یہ بھی بڑی کاوش سے ہے۔

فقیرے :۔ حضور سمجھ گیا۔ سمجھ گیا آپ کا مطلب ۔ ش۔ ر۔ا۔ب خوب بجھے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ جتنی جلدی ہو سکے مسجد کے پاس والے مکان میں تشریف لے آئیے۔ اس وقت اس کی کوئی گنجایش نہیں ہے وہ بھی میر صاحب کے سامنے۔ یہ کہہ کر فقیرے مرزا صاحب کے کان کے پاس سے اپنا منہ ہٹا لیا ہے۔

میر صاحب :۔ حضور کیا رازدارانہ گفتگو ہو رہی تھی دونوں میں۔ کیا اس کمبخت نے آپ کے کان میں کہا۔ اس کمبخت کو چھوڑیئے ناشتہ تیار ہے دیر ہو جائے گی۔ بیگم انتظار کر رہی ہوں گی۔

مرزا غالب :۔ یونہی اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا کوئی خاص بات نہ تھی۔ دل لگی کہ ایک آدھ بات تھی سو کر لی اور لطف اندوز ہو لیا۔۔۔

فقیرے :۔ خوان میں ناشتہ سجائے۔ یہ رہے شاہی ٹکڑے یہ رہے شیرانے یہ رہی شیر برنج۔ یہ رہے شامی کباب یہ رہیں شاخیں بیسن کی۔

میر صاحب :۔ جان پڑتا ہے تیری خبر لینا پڑے گی ذرا کم بولا کر

فقیرے :۔ مالک جب سے یہ سنا ہے کہ مرزا غالب اپنی گلی میں آکر رہنے والے ہیں میرا دل پھولتا جا رہا ہے۔ میری غلطیوں کو معاف

فرمائیے گا مالک۔ پھر اپنی مونچھیں دانتوں کے نیچے دباتے ہوئے مالک مرزا صاحب اپنی گلی میں آجائیں گے تو آپ مشاعرہ کروائیے گا۔

میر صاحب:۔ لیجئے یہ شامی کباب اور کھائیے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو بہت پسند ہیں اور منگوا دوں۔ آپ اچھی طرح سے ناشتہ کیجئے

مرزا غالب:۔ بے فکر رہیے اچھی طرح سے ناشتہ کر رہا ہوں۔ البتہ یہ بچے سست رفتاری سے کام لے رہے ہیں۔ مجھ کو تو ناشتے سے زیادہ نفیرے کی باتوں میں لطف آرہا ہے۔

میر صاحب:۔ اجی چھوڑیے اس کمبخت کو۔ اصل مقصد پہ آیا جائے میں بہت شرمندہ ہوں آپ جیسی عالی مرتبت ہستی سے انکار کرتے نہیں بنتا لیکن میں مجبور ہوں چونکہ یہ مکان مسجد کے پاس ہے لہذا گلی والوں کو اعتراض ہو گا۔ حضور آپ کے بارے میں کون نہیں جانتا ــــ امید ہے حضور معاف فرمائیں گے۔

مرزا غالب:۔ بہت بہت شکریہ آپ کا کہنا درست ہے بچوں میری پاپوش کدھر ہے۔ اچھا میر صاحب اجازت دیجئے۔

میر صاحب:۔ آپ تو خفا ہو کر جا رہے ہیں۔ میرا دل پاش پاش ہوا جاتا ہے لیکن مجبور ہوں۔ میں نے پہلے ہی سوچا تھا کہ ان بچوں کو روک دوں کہ آپ کو زحمت نہ دیں۔ میں خود آپ کے

ساتھ پاس حاضر ہوا جاتا لیکن بیگم کے اصرار پر جن کو آپ سے
بہت عقیدت ہے آپ کے بہت سے اشعار ان کو یاد
ہیں۔ آپ کو مکان دینے کی سفارش بھی کی بچوں کو روک
نہ سکا۔

فقیرے بیگم صاحبہ کے پاس دوڑا ہوا جاتا ہے غضب ہوگیا
بیگم صاحبہ مالک نے مرزا صاحب کو مکان دینے سے انکار
کر دیا ہے اور وہ خفا ہو کر جا رہے ہیں۔

بیگم صاحبہ :۔ جتنی جلدی ہو سکے تم میر صاحب کو اندر بھیج دو
اور فوراً جا کر مرزا صاحب کے پیر پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر
رونا شروع کر دو جب تک میر صاحب اندر سے واپس
نہ چلے جائیں تم مرزا صاحب کے پیر مت چھوڑنا۔

فقیرے :۔ مالک آپ کو بیگم صاحبہ فوراً بلا رہی ہیں۔ تشریف
لے چلئے جو مرزا صاحب کے پیر پکڑ کر رونا شروع کر دیتا
ہے ہر چند مرزا صاحب اپنے پیر ہٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن
فقیرے چھوڑنے کا نام نہیں لیتا۔

میر صاحب :۔ کیا بات ہے بیگم۔

بیگم :۔ بات کیا ہے آپ کو مکان مرزا صاحب کو دینا ہی ہوگا
ہم کو فخر کرنا چاہئے کہ مرزا جیسی ہستی اس گلی میں تشریف لائی
ہے محلے والے جو کچھ بھی کہیں لیکن مسجد پر مرزا صاحب بالکل

اثر انداز نہ ہوں گے۔ مسجد اپنی جگہ ہے اور مرزا صاحب اپنی جگہ۔ مرزا غالب ایک فرشتہ صفت انسان ہیں۔ جن کی تیر اسی سے فرشتے وضو کرتے ہیں۔ وہ صرف ایک بادہ خوار نہیں ہیں بلکہ ولی ہیں۔ جن کے ایک شعر پر فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں۔ جن کا کلام الہامی ہے زبان شیریں ہے۔

یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مرزا غالب کو مسجد کے پاس والا مکان کرائے پر نہ دیا جائے۔ چاہیے مرزا صاحب سے معافی مانگیے اور ان کو مکان کرائے پر لینے کے لئے آمادہ کیجئے۔

فقیرے :۔ حضور آپ کو مکان مل کر رہے گا خدا کے لئے خفا نہ ہوں میر صاحب ذرا سی دیر میں ٹھیک ہو جائیں گے ان پر کبھی کبھی ایسا ہی دورہ پڑتا ہے جب بات کا اقرار کرنا ہوتا ہے پہلے انکار کر جاتے ہیں ہوش آنے پر معافی کے طلبگار ہوتے ہیں۔

میر صاحب :۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو رہی تھی۔ شرمندگی کا کس طرح اظہار کروں۔ اپنے کہے جملے واپس لیتا ہوں جو غالباً آپ کو ناگوار گزرے ہیں اور آپ سے دست بستہ استدعا ہے کہ مکان مجھ سے کرائے پر لے لیجئے آپ کے آجانے سے اس گلی کی رونق دوبالا ہو جائے گی۔ چلئے

آپ کو مکان دکھلا دوں

مرزا غالب :۔ آپ کے اس تغافل کے ساتھ آپ کی اس عنایت اور محبت کا بہت بہت شکریہ۔ چلیئے مکان دیکھ لیا جائے میر صاحب چلیئے حضور تشریف لے چلیئے۔ ارے فقیرے شمع مت بھولنا ـــ

میر صاحب صدر دروازہ کھول دیتے ہیں۔ مرزا غالب فقیرے اور تینوں لڑکے مکان کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ فقیرے شمع روشن کر چکا ہے۔ اذان ہو چکی ہے۔ میر صاحب نماز پڑھنے قریب کی مسجد میں چلے جاتے ہیں ـــ

فقیرے :۔ حضور یہ مکان آپ کے لئے بہت مناسب رہے گا میر صاحب کٹر مسلمان ہیں کسی مولانا کو دینے کے چکر میں تھے وہ تو کہئے قسمت سے آپ تشریف لے آئے۔

مرزا غالب :۔ مکان تو چھوٹا ہے لیکن اچھا ہے پھر ایک بار چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں

فقیرے :۔ شمع اونچی کئے ہوئے حضور مکان پسند آیا۔

مرزا غالب :۔ میاں فقیرے مکان تو پسند ہے لیکن سوچ رہا ہوں زنان خانہ کدھر رہے گا۔ بلے۔ بلیاں۔ طوطے۔ مرغے مرغیاں۔ بکریاں۔ بھیڑ کدھر رہیں گے۔ گھوڑا کدھر باندھا جائے گا۔ نوکر کدھر رہیں گے۔

فقیرے :۔ زیادہ سوچنے بچارنے کی زحمت نہ کریں ۔حضور بس
چلے آئیے سب ہو جائے گا۔ مکان میں جگہ بہت ہے۔
اتنے میں میر صاحب نماز پڑھ کر واپس آجاتے ہیں اور
مکان کی بابت مرزا سے دریافت کرتے ہیں۔
میر صاحب :۔ کہئے حضور مکان پسند آیا۔
مرزا صاحب :۔ مکان کیوں نہ پسند آتا میرے لئے بہت اچھا ہے
کسی طرح گذر ہو جائے گی۔ اچھا تو میر صاحب بات صاف
ہو جائے۔ آج نقد۔ اُدھار پھر کبھی دیکھا جائے گا۔
میر صاحب :۔ اجی حضور کرائے کی بات کیا کرتے ہیں۔ جو سمجھ میں
آجائے وے دیجئے گا۔ ویسے تو مولانا نور محمد لینے کو کہہ
رہے تھے۔ پیشگی کرایہ لے کر آئے پانچ روپئے ایک
ماہ کے میرے ہاتھ پر رکھے لیکن میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا
کہ دیکھا جائے گا۔
مرزا صاحب :۔ میر صاحب لیجئے پانچ روپیہ پیشگی کرایہ ایک ماہ
قبول فرمائیے۔ کل تک بوریا بستر لے کر آجاؤں گا۔ شب بخیر
اجازت دیجئے۔ وعلیکم السلام
دوسرے دن مرزا غالب سارے سازوسامان کے گلی
قاسم جان میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے ساتھ کئی عدد نوکر
مرغے۔ مرغیاں۔ کبوتر۔ بلّے۔ بلّیاں۔ طوطے کا پنجرا بکرے

بکریاں عربی گھوڑا اور خرگوش گلی قاسم جان میں مقیم ہیں۔
چند روز بعد دیوان غالب میں ایک اور شعر کا اضافہ
ہو گیا ہے۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنالیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

تیسرا ایکٹ

دیوان خانے میں مرزا غالب گاؤ تکیے کی ٹیک لگائے
بیٹھے ہیں۔ مکان کا بیرونی پھاٹک بند ہے۔ مرزا غالب
کے چہرے سے افسردگی کے آثار نمایاں ہیں ان کے دائیں
جانب کلو داروغہ جو ان کا سب سے پرانا نوکر ہے کھڑا ہے

مرزا غالب :۔ ذرا کان لگائے رکھنا۔ لوٹ مار کرنے والے
اس گلی میں داخل ہو گئے تو خیریت نہیں۔

کلو داروغہ :۔ سرکار کیا بتایا جائے عجیب قیامت کا عالم ہے
شہر کے ہر کوچے اور بازار میں قہر نازل ہے۔ خدا ہی اپنا
رحم رکھے۔ مال و اسباب کا ذکر ہی کیا جان بچ جائے

تو قسمت جانیئے۔

مرزا غالب :۔ ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ بے چاری عورتیں اور معصوم بچے بے رحمی کے ساتھ قتل کئے جا رہے ہیں۔ انصاف کا کہیں نام نہیں حق پرستی ایک جرم بن کر رہ گئی ہے۔ میں جانتا ہوں اس یلغار میں ظلم یہ ہے کہ جو شخص اظہار اطاعت نہ کرے اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کا مال و اسباب چھین لیا جائے۔

کلو داروغہ :۔ شہر کے بہت سے لوگوں کو باہر نکال دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ شہر کے اندر موجود ہیں لیکن بہت پریشان ہیں۔ جن لوگوں نے جنگلوں میں پناہ لی ہے ان کے لئے ابھی کوئی حکم نہیں ہوا ہے۔

مرزا غالب :۔ حکم کی بات کرتے ہو جو جس جگہ ہے پریشان اور دل گرفتہ ہے۔ کاش شہر کے اندر بسنے والے اور شہر کے باہر رہنے والے ایک دوسرے کی موت اور زندگی سے واقف ہوتے۔

کلو داروغہ :۔ سرکار موت اور زندگی سے واقف ہونا کیسا، لوگ اس وقت دیوانے ہو رہے ہیں ایک دوسرے کو کون پہچانتا ہے سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ بھائی بھائی سے ناواقف سب اپنے اپنے عالم میں گرفتار ہیں۔

مرزا غالب :۔ انسانیت لٹ رہی ہے پرانی قدریں برباد ہورہی ہیں آباد گھر لٹ رہا ہے مجھے اس کا کوئی غم نہیں کہ حکومت کس کی ہو، غم تو اس کا ہے دلی بری طرح سے اُجڑ رہا ہے۔

کلو داروغہ :۔ سرکار دلی کا غم کہاں تک کیجیے۔ آنکھوں دیکھیے دیکھتے یہ شہر کتنی بار لٹا گیا ___

مرزا غالب :۔ کوئی ان ہندوستانیوں سے کہے۔ اے انصاف کی تعریف کرنے والے اور ظلم کو برا کہنے والے حق پرستو اگر ظلم کی مذمت اور انصاف کی تعریف میں تمہاری زبان اور تمہارا دل ایک ہے تو خدا کے واسطے ہندوستانیوں کا طرز عمل یاد کرو۔

کلو داروغہ :۔ سرکار ہندوستانی اپنے کو بالکل بھول گئے ہیں کہیں مذہب کی بڑائی ہے کہیں سلطنت کی۔ عجیب نوچ کھسوٹ ہے۔

مرزا غالب :۔ کیا بتایا جائے کلو ہندوستانیوں نے اپنے آقاؤں کے مقابلے میں تلوار اٹھا کر بے چاری عورتوں اور گود میں کھیلتے ہوئے بچوں کو قتل کر ڈالا حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اپنے آقا سے بے وفائی کرنا گناہ ہے۔

کلو داروغہ :۔ سرکار ان میں کہاں تک جس نے اپنے آقا سے

بے وفائی کی اس کے دین و دنیا دونوں برباد ہوں۔ اور لوگ تو بادشاہ کے طور پر ہیں آپ کا خادم ہوں آپ سے بے وفائی کر کے کہاں رہ سکتا ہوں۔

مرزا غالب :۔ اس کے برعکس انگریزوں کو دیکھو کہ جب دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے لڑنے اٹھے اور گنہگاروں کو سزا دینے کے لئے لشکر آراستہ کیا تو موقع تھا قابض ہونے کے بعد کتے بلی کو بھی زندہ نہ چھوڑتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

کلو داروغہ :۔ سرکار انگریز بہت چالاک قوم ہے۔ بڑی چالاکی سے کام نکالتی ہے۔ چالاک نہ ہوتے تو ہندوستان میں سکہ کیسے جما لیتے۔ یہ قوم موقع اور محل دیکھ کر کام کرتی بھیڑ بکریوں کی طرح ہیں۔

مرزا غالب :۔ کلو میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو یا عیسائی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے۔

اتنے میں دروازے پر دستک کلو داروغہ اپنے لڑکے نیاز علی کو آواز دیتے ہوئے۔ بیٹا دیکھنا پھاٹک پر کون ہے۔ ہوشیاری سے پھاٹک کھولنا۔ پہلے جھانک کر دیکھ لینا۔ پھر نام پوچھنا۔

نیاز علی :۔ ابا یہ رقعہ کوئی دے گیا ہے کلو داروغہ نیاز علی
کے ہاتھ سے رقعہ لیتے ہوئے مرزا غالب کے پاس
پہونچ جاتے ہیں ۔
کلو داروغہ :۔ سرکار کوئی یہ رقعہ دے گیا ہے ۔
مرزا غالب رقعہ کھول کر دیکھتے ہیں ان کی آنکھوں سے
خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں
کلو داروغہ :۔ سرکار کیا بات ہے کیوں خاموش ہو گئے رقعہ
پڑھتے ہی کوئی خاص بات جان پڑتی ہے ۔
مرزا غالب :۔ کیا بیان کیا جائے کل ہندوستانیوں میں کچھ
عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد ۔ کچھ معشوق سو وہ سب خاک میں
مل گئے ۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے ۔ جو اپنے
عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زیست کیونکر نہ دشوار ہو ہائے
اتنے یار مرے کہ اب میں مروں گا تو کوئی رونے والا بھی
نہ ہوگا ـــــ
کلو داروغہ :۔ سرکار رقعہ کی بابت آپ نے کچھ نہیں بتایا
اس میں کیا لکھا ہے کوئی خاص بات ضرور ہے ۔
مرزا غالب :۔ یہ رقعہ مفتی صدرالدین کے مکان سے آیا ہے
لکھا ہے کہ مفتی صاحب قید کر لئے گئے ۔ ان کے علاوہ
مولانا فضل حق خیرآبادی کو کالے پانی کی سزا ملی ہے

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور غلام قمرالدین بھی قید ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ صہبائی۔ سیف الدین حیدر خاں۔ حکیم رضی الدین خاں۔ مولوی محمد باقر۔ احمد حسین خاں مارے گئے یا پھانسی پائی۔

کلو داروغہ:۔ خدا ان سب پر رحم کرے۔

اتنے میں مدار خاں۔ دیوان خانے میں دوڑتا ہوا داخل ہوتا ہے سرکار غضب ہو گیا۔

مرزا غالب:۔ سرکار صحن میں نکل کر دیکھئے۔ کچھ انگریز سامنے والی دیوار پر چڑھ کر گلی میں کود رہے ہیں۔ راجہ نریندر سنگھ کے سپاہیوں نے انکو روکنے کی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

مرزا غالب ابھی صحن میں آنے ہی پائے تھے کہ چند انگریز انکے مکان کے اندر گھس آئے لیکن انہوں نے مرزا کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ دونوں بچوں۔ کلو داروغہ نیاز علی اور مدار خاں۔ مرزا غالب اور کچھ پڑوسیوں کو پکڑ لے گئے اور دو فرلانگ پیدل چل کر کرنل براؤن کے سامنے پیش کر دیا جو قطب الدین سوداگر کی حویلی میں مقیم تھا۔ کرنل براؤن نے مرزا کے ساتھ انتہائی شریفانہ طریقے سے بات چیت کی۔

کرنل براؤن:۔ تمہارا نام کیا ہے۔

مرزا غالب :۔ مجھ ناچیز کو مرزا اسداللہ خاں غالب کہتے ہیں
کرنل براؤن :۔ تمہارا پیشہ کیا ہے۔
مرزا غالب :۔ حضور میرا نا وظیفہ خوار ہوں۔
کرنل براؤن :۔ ول مرزا تو تم مسلمان ہے۔
مرزا غالب :۔ حضور آدھا مسلمان ہوں۔
کرنل براؤن :۔ آدھا مسلمان کیا۔ اس کا مطلب۔
مرزا غالب :۔ آدھا یوں کہ شراب پیتا ہوں۔ سور نہیں کھاتا ہوں
کرنل براؤن :۔ ول مرزا ہم تمہاری بات چیت سے بہت متاثر ہوا تم کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا جاتا ہے۔

مکان واپس آتے ہی مرزا پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا دربان جو مرزا یوسف کی ڈیوڑھی پر رہتا ہے خبر لایا ہے۔ پانچ روز تپ و تپ میں مبتلا رہ کر آج آدھی رات گذرے آپ کے بھائی مرزا یوسف کا انتقال ہوگیا ہے۔

مرزا غالب جن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا ہے دربان سے کہتے ہیں اس وقت نہ کفن کے لئے کپڑا بازار سے مل سکتا ہے۔ غسال اور گورکن کہاں سے آئیں گے۔

کلو داروغہ :۔ سرکار صبر سے کام لیجئے خدا کی یہی مرضی ہے۔ پریشان نہ ہوں پٹیالے کی فوج کے سپاہیوں کے ذریعہ سب کچھ ہوجائے گا۔ تجہیز و تکفین کے سارے کام خود انجام

دے لیے جائیں گے گورکن اور غسال ایسی حالت میں نہ ملیں نہ سہی۔

مرزا یوسف کا مکان مرزا غالب کے مکان سے تقریباً دو ہزار قدم پر ہے داروغہ کلو نے دو سفید چادریں ساتھ لیں اور سب لوگ مرزا یوسف کے مکان کی طرف چل دیے آگے آگے پٹیالے کی فوج کا ایک سپاہی حفاظت کے لئے چلا جا رہا ہے۔ سب لوگ مرزا یوسف کے مکان پر پہونچ چکے ہیں۔ بعد غسل کے مسجد کے صحن میں جو مکان کے قریب ہے مرزا یوسف کو دفن کر دیا گیا ہے۔

اچانک ایکیس توپوں کی آواز سنائی دیتی ہے معلوم ہوا ہے کہ انگریزوں کو کسی دوسری جگہ باغیوں پر فتح حاصل ہوئی ہے جس کے جشن مسرت کا آغاز کیا گیا ہے۔

چوتھا ایکٹ

دیوان خانے میں مرزا غالب کئی تکیوں کی ٹیک لگائے بیٹھے ہیں میر مہدی مجروح جو غالب کے خاص شاگردوں میں ہیں۔ دیوان خانے میں داخل ہوتے ہیں۔

میر مہدی مجروح :۔ استاد محترم السلام علیکم
مرزا غالب :۔ سلام کا جواب دیتے ہوئے مجروح سے بیٹھ جانے کے لیے کہتے ہیں۔
میر مہدی مجروح :۔ بعد سلام کے مرزا کی طبیعت کا حال پوچھتے ہیں۔
مرزا غالب :۔ بھئی میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدھ روز میں ہمسائیوں سے پوچھنا۔ کل ہی بیہوشی طاری ہو گئی تھی کچھ دیر کے لیے آرام ہو گیا لیکن پھر وہی حالت ہو گئی۔ آج کچھ طبیعت ٹھیک ہے
میر مہدی مجروح :۔ ایسی حالت میں آپ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ اشعار کی اصلاح اور زیادہ لوگوں سے ملنے جلنے سے گریز کیجئے۔
مرزا غالب :۔ بھئی مجروح کیا پوچھتے ہو آخر عمر میں میں خود اشعار کی اصلاح دینے سے گھبراتا ہوں لیکن جہاں تک ہو سکتا ہے احباب کی فہرست بجالاتا ہوں۔ نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے نہ کانوں سے سنا جائے۔
میر مہدی مجروح :۔ مجبوری تو یہ ہے کہ آپ کا اخلاق اتنا وسیع ہے کہ کیسی ہی حالت میں دوستوں کو خط ضرور لکھتے ہیں آپ کو آرام چاہیئے ورنہ لوگ تو آپ کا پیچھا کبھی نہ چھوڑنا چاہیں گے

مرزا غالب :۔ بھئی آرام کی کیا کہتے ہو آرام تو مر کر ہی نصیب ہو گا
لا کھ لکھتا ہوں کہ متوقع ہے کہ میرے دوست خدمت اصلاح
اشعار سے مجھ کو معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت
سے ہو سکے گا لکھ دیا کروں گا باوجود اسکے بھی لوگ برابر ستاتے
رہتے ہیں

میر مہدی مجروح :۔ خدا کے واسطے اپنے پر رحم کیجئے خطوط شوقیہ
سے بھی پرہیز کیجئے۔ کمزوری کے باعث آپ پر بیہوشی طاری
ہو جاتی ہے اشعار کی اصلاح دینا بالکل بند کر دیجئے۔

مرزا غالب :۔ بھئی تم کیا بات کرتے ہو ایک دفعہ جب میں نے
مرزا تفتہ سے معذرت چاہی تو انہوں نے اپنے خط میں لکھا
بسبب ذوق سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی۔ پوچھیے
لاحول ولا قوۃ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر کے اشعار کی اصلاح
منظور کی۔ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار
میں نے بطریق قہر درویش بر جان درویش لکھا تھا۔

میر مہدی مجروح :۔ استاد محترم اب اجازت دیجئے اور آپ
آرام کیجئے۔

مرزا غالب :۔ اچھا خدا حافظ۔ جیتے رہو۔

میر مہدی مجروح کے جانے کے بعد مرزا پر بیہوشی طاری ہو گئی
ہے۔

گلی قاسم جان میں ایک کہرام مچا ہے۔ دیوان خانے میں مرزا اسداللہ خاں غالب کی میت رکھی ہے۔ اس پر سفید چادر پڑی ہے۔ شہر کے ممتاز لوگ نواب ضیاءالدین احمد خاں۔ نواب مصطفےٰ خاں حکیم احسن اللہ خاں۔ مولانا الطاف حسین حالی اور بہت سے لوگ جنازے کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ کچھ لوگ زار و قطار رو رہے ہیں۔ جلوس جنازہ گلی قاسم جان سے گذر چکا ہے۔ جامع مسجد کی طرف وہاں سے دہلی دروازے کی طرف اور پھر درگاہ حضرت نظام الدین کے پاس آ کر رک گیا ہے۔ جنازے کے جلوس میں ہر فرقے کے لوگ موجود ہیں۔

مرزا اسداللہ خاں غالب کو درگاہ حضرت نظام الدین کے پاس سپرد خاک کیا جا چکا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

غالب کے اشعار سے

بیت بازی کا مقابلہ

ممتاز ہائر سکنڈری اسکول لکھنؤ میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر جشن غالب کا اہتمام اور ایک سیمنار کا افتتاح بہت ہی شان و شوکت سے ہوا ہے۔ مختلف اسکول کے بچے اور بچیاں اس عظیم شاعر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اس جشن میں کئی دن سے شامل ہیں۔ غالب پر بچوں نے تقریریں۔ مقالے پیش کئے ہیں اور انکے لطیفے خوب خوب بیان ہوئے ہیں۔ غالب کی غزلیں بچوں نے ترنم سے سنائی ہیں۔ بیت بازی کا ایک سلسلہ بھی کئی دن سے چل رہا ہے۔ اس مقابلے میں بہت سے بچے اور بچیوں کے اسکولوں نے بھی کھل کر حصہ لیا ہے۔

اس مقابلے میں جیتنے والی ٹیم کے لئے ایک بہت ہی خوبصورت اور کئی چھوٹے کپ بطور انعام رکھے گئے ہیں سخن فہم لوگ اچھے اشعار پر نمبر دینے کے لئے بحیثیت جج مقرر کئے گئے ہیں۔

آج اس تقریب کا آخری دن ہے اس کے ساتھ ساتھ بیت بازی میں ان ٹیموں کا مقابلہ بھی ہے جو فائنل میں پہونچ چکی ہیں۔ فائنل میں جیت کر آنے والی ٹیموں کو ایک دن پیشتر بتا دیا گیا ہے کہ وہ فائنل کے مقابلے میں صرف غالب کے

ہی اشعار دیں گے اس کے علاوہ کسی دوسرے شاعر کا ایک
بھی شعر قبول نہیں کیا جائے گا۔

بیت بازی میں حصہ لینے والی ٹیموں کے نام:۔

ٹیم نمبر ایک:۔ لکھنؤ ہائر سکنڈری اسکول کی ٹیم

ٹیم نمبر دو:۔ تعلیم گاہ نسواں اسکول کی ٹیم۔

مقابلے میں حصہ لینے والے بچوں اور بچیوں کے نام:۔

ٹیم نمبر ایک:۔ خالد۔ آصف۔ نیر۔ منیر احمد

ٹیم نمبر دو:۔ طیبہ خاتون طاہرہ خاتون۔ نجمہ۔ ثریا۔

ایک شعر کے لئے:۔ زیادہ سے زیادہ پانچ نمبر

مات دینے والی ٹیم کے لئے۔ خصوصی تیس نمبر۔

اسکول کے بڑے ہال میں فرش لگا ہے۔ ہال رنگ
برنگے کاغذ کے پھولوں اور جھنڈیوں سے سجایا گیا ہے۔
سامنے ڈائس کے پیچھے بالکل بیچ میں مرزا غالب کی بڑی
سی ایک تصویر لگی ہے۔

سامنے کی طرف کئی تخت ملا کر ڈائس تیار کیا گیا ہے۔
جس پر مخملی قالین بچھا ہے۔ بیچ میں ایک بڑا گاؤ تکیہ
صدر یا جج کے لئے رکھا ہے۔ ڈائس کے دونوں طرف
چھوٹے چھوٹے گاؤ تکیے بیت بازی میں حصہ لینے والے بچوں
کے لئے رکھے ہیں ان چھوٹے چھوٹے گاؤ تکیوں کے سامنے

دونوں طرف مقابلے کی دونوں ٹیموں کے لئے ایک ایک مائک رکھا ہے۔ بچے بالکل خاموش ہیں۔

ڈائس پر ججز کے علاوہ سخن فہم مہمان اور اساتذہ کے بیٹھنے کے لئے کافی جگہ چھوڑی گئی ہے۔ بعض اساتذہ بچوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے ہال کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ آج کا مقابلہ شروع ہونے والا ہے۔ بچے خاموش ہیں۔ عالی جناب شجاعت علی سندیلوی لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی جج کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دستور کے مطابق بیت بازی کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہو چکا ہے۔ جس کا جواب سن ہو کو یم جواب بسم اللہ۔ سے دیا جا چکا ہے۔

اب ٹیم نمبر ایک کی باری ہے۔ مائک کے پاس جو قریب ہی رکھا ہے خالد تھوڑا کھسک کر بیٹھے ہی آ چکے ہیں اور اب غالب کا مندرجہ ذیل شعر جواب میں دے رہے ہیں۔

۱۔ خالد:۔ ترنم کے ساتھ۔

ل۔ ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

۲۔ طیبہ:۔ ترنم سے

ک۔ کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

۱۔ خالدایۓ مخصوص ترنم کے ساتھ۔

ن — زخم نے داد نہ دی تنگئ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پُرافشاں نکلا

۲۔ طیبہ :۔ بہت ہی نرم و نازک لہجے میں ترنم کے ساتھ

ا — اے پرتو خورشید جہاں تاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

۱۔ خالدجج صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے زوردار ترنم کے ساتھ

ب — یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے
لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

۲۔ طیبہ :۔ اونچی آواز میں۔ دردانگیز ترنم کے ساتھ۔

ن — نہ کہو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے

۱۔ خالدپاٹ دارآواز میں۔

ب — یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

۲۔ طیبہ :۔ انتہائی تمکنت کے ساتھ۔

ا — اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شے کے غالب گنبد بے در کھلا

ڈائس پہ بیٹھے ہوئے بزرگوں کی طرف سے سبحان اللہ۔

ماشاء اللہ کی آوازیں۔

۱۔ خالد:۔ کچھ سوچتے ہوئے پھر اچانک ڈائس پر بیٹھے ہوئے
لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے۔

ا۔۔ آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

۲۔طیبہ:۔
گ۔ گنجینۂ معنی کا طلسم اسکو سمجھئے جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

۱۔خالد:۔ پاٹ دار آواز میں
ب۔ یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل انکو جو نہ دے مجھ کو زبان اور

۲۔طیبہ:۔ انتہائی درد بھری آواز میں بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے
ر۔ رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

۱۔خالد:۔ ٹیم ممبروں کی بچیوں کو مخاطب کرتے ہوئے۔ ترنم کے ساتھ
و۔ وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

۲۔طیبہ:۔
و۔ وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

ا۔ خالد:۔ بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے پاٹ دار آواز میں

و — یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

ا۔ خالد:۔ طیبہ کو مخاطب کرتے ہوئے

زیدامن ہے بیداد دوست جاں کے لئے
رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے

طیبہ:۔ مخصوص ترنم کے ساتھ۔ درد بھری آواز میں

ی:۔ یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

خالد:۔ پاٹ دار آواز میں مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے۔

ا — آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

طیبہ:۔ خالد کو مخاطب کرتے ہوئے۔

ل — کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

خالد:۔ اونچی آواز دوسری ٹیم کی لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے۔

ی — وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھکو
آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا

طیبہ:۔ درد انگیز لہجے میں۔

ا — آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

خالد :- شعر کا جواب دیتے ہوئے پاٹ دار آواز میں ۔

د ۔ دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

طیبہ :- مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ترنم کے ساتھ

ک ۔ کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنۂ و فساد نہیں

خالد :- اونچی آواز میں شعر کا جواب دیتے ہوئے ۔

ن ۔ نہ لگے کبھی اس کے دست دوبارہ کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

طیبہ :- خالد کو مخاطب کرتے ہوئے ترنم کے ساتھ ۔

ن ۔ نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

خالد پر وحشت کے عالم میں خاموش بیٹھا ہے ۔ غالباً (ج) کا شعر اس کو نہیں سوجھ رہا ہے ۔ اتنے میں آصف مائک کے پاس آ جاتا ہے اور خالد پیچھے سے کھسک لیتا ہے ۔ ہال میں تالیوں کی آواز ۔ طیبہ اپنی جگہ بیٹھی مسکرا رہی ہے ۔ آصف مائک کے پاس آ گیا ہے ۔ تحت میں شعر کا جواب دے رہا ہے ۔

آصف :- تحت کے ساتھ لیکن بہت ہی خوبصورت انداز سے ۔

(ج) چھوڑوں گا میں نہ اس بت کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

طیبہ :۔ ترنم کے ساتھ

ر ــــ رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

آصف :۔ تحت کے ساتھ مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے

ن ــــ نہ گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز

کچھ دیر خاموشی۔ سازندہ طیبہ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ لیکن طیبہ خاموش ہے اس کی جگہ طاہرہ نے لے لی ہے۔

طاہرہ مائک کے پاس آکر ترنم سے شعر دیتی ہے

ز۔ زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

آصف :۔ تحت میں۔

(ی) یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

طاہرہ :۔ ترنم سے۔

و۔ وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

آصف :۔ تحت میں

ن۔ نینداس کی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی
تیری زلفیں جس کے بازو پہ پریشاں ہوگئیں

طاہرہ :۔ ترنم سے۔

ن — نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

آصف :۔ تحت میں

ی — یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

طاہرہ :۔ ترنم سے

ن — نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم ہائے جدائی کا

آصف :۔ تحت میں ۔

ا — احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

طاہرہ :۔ ترنم سے ۔

آہ ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

آصف خاموش ۔ د کا شعر ان کو یاد نہیں ہے ۔ آصف کی جگہ منیر نے فوراً لے لی

منیر :۔ دور انگیز ترنم کے ساتھ

د — دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

طاہرہ:۔ ترنم سے

ا ــــ آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

منیر:۔ بے دلی کے عالم میں پھر کچھ سوچ کر پیچھے ہٹ آتا ہے
منیر کی جگہ ذرا سنبھل لیتا ہے۔

منیر:۔ درد انگیز ترنم میں۔

ا ــــ ایک بیا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

طاہرہ:۔ بے دلی کے عالم میں پھر اسکی جگہ نجمہ شعر دینا شروع
کر دیتی ہے۔

نجمہ:۔ باریک سریلی آواز میں

ی ــــ بے قائل وعدہ صبر آزما کیوں
یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

منیر:۔ ترنم سے

ا ــــ آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

نجمہ:۔ باریک سریلی آواز میں۔

یہ رات بھر کا ہنگامہ صبح ہونے تک
رکھو نہ شمع پہ اے اہل انجمن تکیہ

منیر:- ترنم سے :-

۵ — ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

نجمہ:- ی کا شعر یاد نہیں ہے اس لئے خاموش ہے
اور نجمہ کی جگہ ثریا نے لے لی ہے۔

ثریا:- تحت سے۔

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر ہاتھ

منیر:- ترنم سے :-

ا — اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

ثریا:- تحت میں :-

ا — اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

منیر:- ترنم سے

یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بے خودی
جلوۂ گل واں بساط صحبت احباب تھا

ثریا:- تحت میں۔

اٹھ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا تھا جال

منیر:۔ ترنم سے

لو ہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

ثریا:۔ تحت میں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

منیر:۔ ترنم سے

نہ لڑ ناصح سے غالبؔ کیا ہوا اگر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

ثریا:۔ تحت میں

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

منیر:۔ ترنم سے

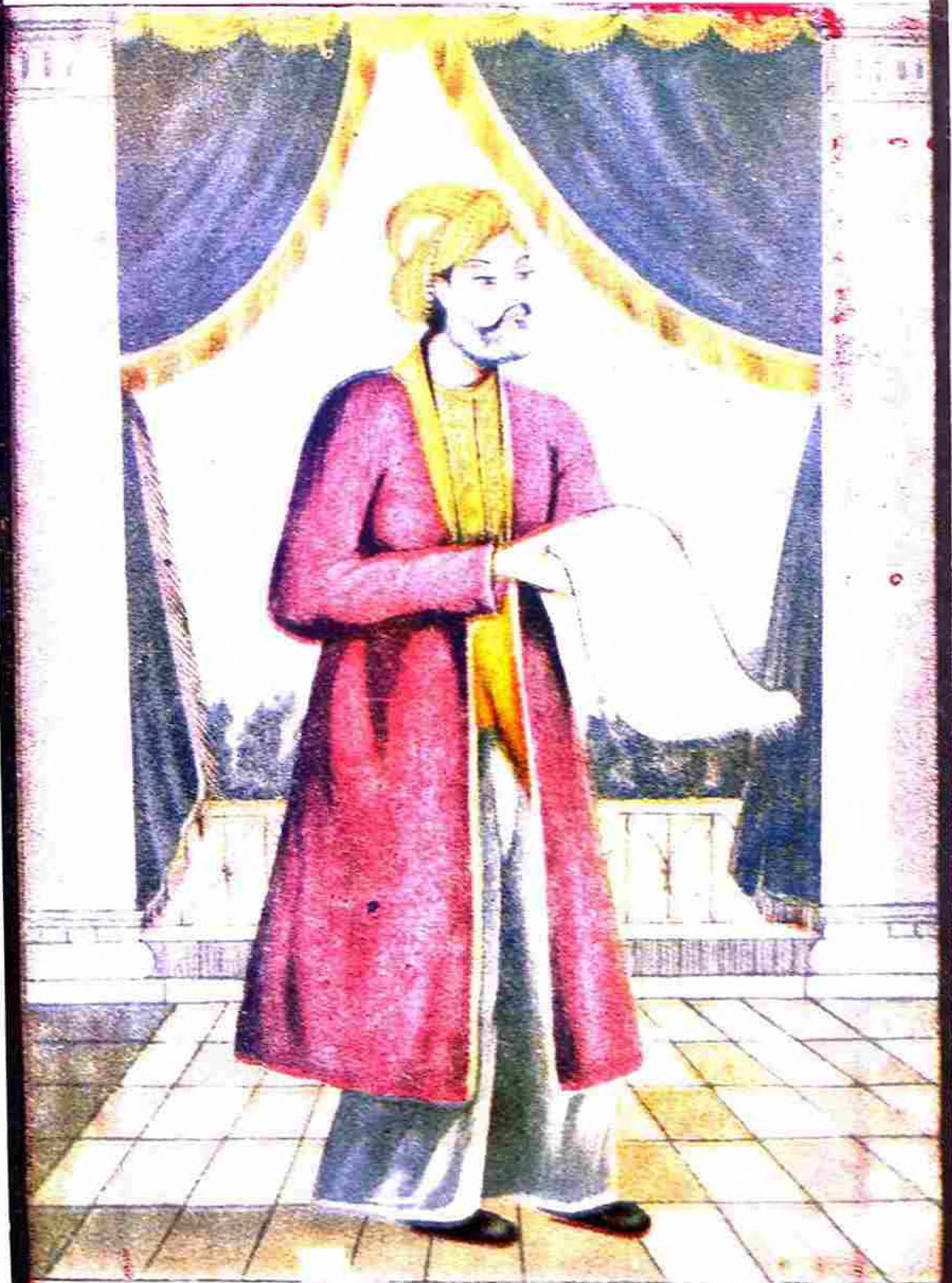
یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ثریا تحت میں

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کہنے جاتے ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

منیر کو "ن" کا شعر یاد نہیں ہے اس لئے وہ بغلیں جھانک رہا

شبیہ مبارک نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب



غالب نام آورم نام و نشانم مپرس ٭ ہم اسد اللہم و ہم اسد اللہیم